مدارسِ عربیہ

تعارف، مقصد

اور اہلِ مدارس کی ذمہ داریاں

تالیف:

ابو معاویہ مولانا محمد ایاز

نائب امیر: نوجوانان توحید وسنت پاکستان

اشاعت اکیڈمی

بادشاہ مارکیٹ قصہ خوانی محلہ جنگی پشاور

0300-9391643

مدارس عربیہ

تعارف و مقاصد

اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز، محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

دینی مدارس کا پس منظر	235
اسلام کا نظامِ تعلیم	235
کیا دینی مدارس والے دہشت گرد ہیں	243
کیا دینی مدارس اور علمائے کرام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں	249
آمدم بر سر مطلب	252
دینی مدارس کے خلاف سازشیں	253
مدارس عربیہ کیا ہیں	257
اہل مدارس کی ذمہ داریاں	258
اپنی اصلاح	259
اپنے آپ کو قیمتی بنائیں	260
عقیدہ و توحید و عمل بالسنۃ	266
دعوتِ دین	270
اقامتِ دین	274

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس کا پس منظر

یہ ایک حقیقت ہے کہ قوم کو اپنا دینی اور قومی ورثہ منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ تعلیم ہے۔ تبھی اسلام میں بھی تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی اسی اہمیت کی بناء پر معلم بنا کر بھیجا گیا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ پھر تعلیم وتربیت کے لیے درسگاہ اور مدرسے کی چونکہ بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لیے نبی کریم نے سابقون الاولین صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کے لیے مکہ میں سب سے پہلے دار ارقم کو اور پھر ہجرت کرنے کے بعد مسجد نبوی کو اولین درسگاہ کا شرف دیا تھا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشہ میں قائم اس درسگاہ صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ صفہ میں تعلیم پانے والے طلبہ کو "ضیوف الرحمٰن" یعنی اللہ کے مہمان کہا جاتا تھا جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تعلیم دیتے تھے۔ اس درسگاہ کے مشہور طلبہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔ قرآن اور حدیث کا عظیم الشان ذخیرہ ہم تک پہنچانے میں انہی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نظام تعلیم صفہ کا بنیادی کردار ہے۔

اسلام کا نظام تعلیم:

اسلام کی اولین درسگاہ صفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہاں صفہ کے نظام تعلیم کا مختصر جائزہ لینا بھی بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ دینی مدارس کے نظام تعلیم کی اساس وبنیاد صفہ ہی کے نظام تعلیم پر ہے اور ہونا چاہیے۔ اس لیے اختصار کے ساتھ اس کی نمایاں خصوصیات کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے:

- یکساں نصاب
- یکساں اساتذہ
- مفت تعلیم
- غیر طبقاتی نظام تعلیم
- تعلیم کے لیے مسجد کا مقدس ترین ماحول
- مسجد اور مدرسہ کا یکجا ہونا
- معلم اور متعلّم کی مکمل کفالت
- اسلامی معاشرے کی جملہ ضروریات پورا کرنے والا نظام

اسی طرح قرآن پاک میں [سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۷۔۱۲۹] سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بیت اللہ بنانے کا واقعہ مذکور ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ان آیات اور واقعہ کے تناظر میں تعلیم کے چند اصول واضح ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ درسگاہ اور تعلیم گاہ کے لیے عمارت اور مرکز کا وجود

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاسْمَاعِيْل

۲۔ پاک ماحول

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

۳۔ مقصد تعلیم : تطہیر افکار، اصلاح عقائد واخلاق اور علمی ورثہ کا آئندہ نسل کا انتقال

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ، وَيُزَكِّيْهِمْ اور وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

۴۔ درسگاہ کے باسیوں یعنی معلم اور متعلّم کی مکمل کفالت کا بندوبست

اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

۵۔ طلبہ کی موجودگی، ان کی تابعداری اور شوق علم

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

۶۔ بہترین معلم

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

۷۔ نصاب تعلیم ۔۔۔۔۔ قرآن وسنت اور اس کی روشنی میں تیار کردہ نصاب

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

بہر حال خلافت راشدہ کے دور سے لے کر مغلوں کے دور تک پوری مسلم دنیا میں یہی نظام تعلیم رائج رہا اور مسلمان معاشرے کی تمام ضروریات اور تقاضے اسی انداز میں پورے ہوتے رہے۔ جہاں مسجد وسیع ہو جاتی تو وہاں کے ایک گوشے میں مدرسہ قائم کر دیا جاتا اور اگر مدرسہ وسیع ہو جاتا تو اس کے ایک گوشے میں مسجد میں تعمیر کر دی جاتی۔ ان مدارس میں سے مدرسہ نظامیہ مدرسہ مستنصررات، جامعہ اظہر، جامعہ مقص، جامعہ اقمر اور دارالعلوم دیوبند کی شہرہ آفاق درسگاہوں نے بڑی بڑی نامور شخصیات پیدا کیں۔ مغلیہ دور حکومت میں مسجد عالمگیری کو دینی تعلیم کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت دی گئی۔ اس دور میں ملّا قطب الدین نے خاص شہرت حاصل کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ملّا نظام الدین کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ موجودہ درس نظامی اسی ملّا نظام الدین کے نام کی نسبت ہی سے معروف ہے۔ اسلامی نظامی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ یہ ہمیشہ سرکاری سرپرستی سے آزاد اور خود مختار رہا ہے۔ نوآبادیاتی دور [انگریز سامراج کی یلغار] تک اس نظام تعلیم میں کسی قسم دوہرے معیار کا تصور تک نہیں تھا۔ جیسا کہ آج کے دور میں ہم اپنے معاشرے میں غریب اور نچلے طبقے کے لیے اردو

میڈیم اور اونچے طبقے کا انگریزی اور بیکن ہاؤس [Beacon House] ٹائپ نظام تعلیم سے فیض یافتہ ہونا بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ایک ہی نظام تعلیم تھا جس سے علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، مبلغین، سیاستدان، سائنس دان، فلاسفر اور ماہر اطباء غرض یہ کہ ہر پیشہ اور ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد تیار ہوتے رہتے ہیں۔اورنگزیب عالمگیر اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ المعروف مجدد الف ثانی دو مختلف حیثیتوں کی حامل شخصیات ایک ہی مدرسہ کے فضلاء تھے۔ ابن سینا، ابن الہیثم اور جابر بن حیان جیسے نابغہ روزگار سائنس دان انھیں مدارس سے فیض یافتہ ہو کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچے تھے، لیکن مسلمانوں کے نظام تعلیم کی یہ وحدت، مسجد اور مدرسہ کی یکجائی اور دینی و دنیاوی علوم کے امتزاج کا یہ رشتہ نوآبادیاتی دور میں ٹوٹ گیا ۔جس نے سب سے پہلے تو دین اور دینی علوم کو مدارس [سکول و کالج] کی چار دیواری سے باہر نکالا اور ساتھ ہی عیسائیت و مغربی تعلیم پر مبنی نظام تعلیم کا آغاز ہوا۔فروغ عیسائیت اور انگریزی زبان کے تسلط کے لیے مشنری سکولوں، نوابوں، شہزادوں ،اور راجاؤں کی اولاد کے لیے بیکن ہاؤسز اور اونچے درجے کے منظّم خصوصی سکولز اور غریب اور نچلے درجے کے طبقے کے کلرک پیدا کرنے کے لیے پرائمری اور سکینڈری ٹائپ سکولز کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس طرح پورے ہندوستان میں طبقاتی نظام تعلیم رائج ہوگیا۔لارڈ میکالے جو ہندوستان میں مغربی طرز تعلیم کا موجد ہے، نے ہندوستان میں اس ملحدانہ نظام تعلیم کے مقصد کو کچھ ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہیں جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں لیکن دل و دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔

انگریز وائسرے اور افسران کی شکل میں آئے ہوئے یہودیوں نے ہندوستان بھر کے اسکولوں کے لیے ایسا نصاب تعلیم وضع کیا جس کی رو سے مذہب کی معیشت و تجارت اور سیاست و عدالت میں کوئی عمل دخل نہ رہے۔ چنانچہ آپ پہلی جماعت کی اسلامیات لے کر ایم۔اے تک کتابیں کھنگال ڈالیے آپ کو عبادات کے علاوہ فقہ کی دو اہم شاخوں معاملات [بیع وشرا، مشارکہ و مضاربہ، مرابحہ واجارہ وغیرہ نیز نکاح و طلاق ،وصیت و وراثت وغیرہ]اور

عقوبات [حدود قصاص، دیات اور تعزیرات] کا ایک لفظ نہیں ملے گا۔ یہ غیر شعوری طور پر اس بات کو تسلیم کر لینے کے مترادف ہے کہ مذہب کو ہماری تجارت، معیشت، عدالت اور سیاست میں کوئی دخل نہیں۔ ہمارے عائلی قوانین [نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ] دیوانی قوانین [لین دین کے تنازعات کا حل] اور فوجداری قوانین [جرم و سزا سے متعلق تعزیراتی دفعات] کی بنیاد قرآن وسنت اور اس سے ماخوذ احکام یعنی فقہ پر نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی من گھڑت اصول وضوابط پر ہوگی۔ چنانچہ اس نظام تعلیم کا نتیجہ ہے کہ ہمارے اسکول و کالج کے طلبہ کو چند سورتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی چند باتیں [جن میں جہاد نیکی کے نفاذ اور برائی کے خاتمے کی کوشش کا کوئی ذکر نہ ہو] کے علاوہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ عملی زندگی میں دین اسلام ان سے کیا چاہتا ہے؟ چنانچہ جس طرح کٹر عیسائی ممالک میں بھی عیسائیت کو سیاست، عدالت اور معیشت سے دیس نکالا دے دیا گیا ہے اور وہاں عیسائیت صرف چرچ تک اور چرچ اتوار کے دن کی سروس تک محدود ہے، یہی حشر مسلمان ممالک کا بھی ہوتا جا رہا ہے۔ مثلاً جب کوئی نوجوان یونیورسٹی سے فارغ ہو کر ملازمت شروع کرتا ہے تو اسے ملازمت کے شرعی قواعد [احکام اجارہ] معلوم ہونی چاہییں۔ مگر آپ صبح کسی سڑک کے کنارے کھڑے ہو جائیں اور سوٹ بوٹ میں ملبوس، تازہ شیو اور چمکتے سوٹ کیس کے ساتھ دفتر جانے والے کسی نوجوان سے پوچھیں کہ آجر و مستاجر کے تعلق کو اسلام کیسے سنوارتا ہے؟ تو وہ آپ کو مجذوب سمجھ کر راستہ چھوڑنے کی گزارش کرے گا۔ آپ کو ایسے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بچوں کے باپ ہوں گے مگر یہ بتا سکیں گے کہ نکاح کن چیزوں سے قائم ہوتا ہے اور کن باتوں سے ختم ہو جاتا ہے؟ ایسے معروف تاجروں اور بزنس مینوں کی بھی کمی نہیں جو تجارت کے جائزہ و ناجائز ہونے کے موٹے موٹے اصول نہ بتا سکیں گے۔ یہ سارا کمال لارڈ میکالے نامی اس یہودی دانشور کے ترتیب دیے ہوئے نصاب تعلیم کا ہے جس نے فارمی مسلمانوں کی کھیپ کی کھیپ پیدا کر کے ایسی متنقفہ، عدلیہ اور انتظامی ہم پر مسلط کر دی ہے جن کے اندر کی اسلامی روح فنا ہو چکی ہے اور وہ سامراجی استعمار کی خدمت کے علاوہ کسی کام کے نہیں۔ اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ

انگریزی سلطنت کو چلانے والے بابو [انگریزی میں بیبون لنگور کہتے ہیں ،اسی سے بابو بنایا گیا] مہیا کیے بلکہ نظام تعلیم کو مادیت پرستی پر استوار کرکے روحانیت کی بنیادوں پر تیشہ چلادیا۔ مسلم معاشرہ پر بیرونی سامراج کا یہ اثر پڑا کہ ہمارا رشتہ خود بخود اپنے دین اسلامی افکار و نظریات ،اپنی تاریخ ،اسلام کی دی ہوئی فکر اور اسلامی نظام تعلیم سے ٹوٹ گیا۔ ہمارا جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقے کا ایمان متزلزل ہے ،آج وہ اسلام سے مکمل بیزار ، دین ، قرآن ، مسجد اور مدرسے کے نام سے متنفر اور مکمل طور پر سیکولر نظر آتے ہیں ۔ ان کے دلوں پر اغیار کی مادی ترقی کے باعث پیدا شدہ رعب کے نقوش ثبت ہو چکے ہیں، جبکہ اسلام کی عظمت کے نقوش دلوں سے کرچ کرچ کر مٹائے جارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا نام تک لیتے ہوئے انھیں شرم آتی ہے۔ اسلامی شعائر اور اسلامی سیرت و صورت اختیار کرنا تو درکنار اب تو حالت یہ ہے کہ الٹا اس پر استہزا بڑے دھڑلے سے کیا جانے لگا ہے۔ قدیم اسلامی تعلیم یافتہ طبقہ یعنی وہ طبقہ جو علم و عمل اور وضع و سیرت کے لحاظ سے قدیم ہے اور دوسرا طبقہ متجددین یعنی Moderate اور روشن خیال میں جن کی چال ڈھال وضع قطع اور فکر و دماغ پر ماضی کی حکمران قوم [انگریز ، یورپ] کی چھاپ لگی چلی آرہی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ دونوں طبقات مسلمان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے شدید نفرت کرنے لگے اور دونوں میں ایک قسم کی رقابت پیدا ہوگی۔ یوں مسلم معاشرہ سیکولر ذہنیت رکھنے والوں کی جدید و قدیم اور دین و دنیا اس تقسیم کا شکار ہو کر ایک نئی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ مسلم قیادت علماء سے چھین کر سیکولر طبقے کے ہاتھ آگئی۔ یہ مغربی نظام تعلیم ایک طرف دینداری، خدا شناسی ، اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب و کلچر سے خالی تو ہے، جبکہ دوسری طرف ایک افسوس ناک بات یہ بھی ہے کہ اس نظام تعلیم سے وہ بنیادی اخلاقیات ، حب الوطنی ، فرض شناسی ، جفا کشی اور وفاداری جیسی صفات بھی پیدا نہیں ہو پاتیں جن کے بغیر کسی قوم کی ترقی تو درکنار زندہ رہنا اور وجود کا قائم رہنا بھی محال ہے۔ اس نظام تعلیم کے رائج کرنے سے انگریز کا مقصد مسلمانوں میں دینداری، اسلامی کلچر و تہذیب اور ان کی ایک آزاد قوم کی حیثیت سے تربیت دینا ہر گز نہ تھا، بلکہ وہ تو

ایسے لوگ تیار کرنا چاہتے تھے جو ان [انگریز] کی سر پرستی میں حکومت چلانے میں معاون وآلہ کار بن سکیں اور ان کی زبان کو سمجھنے والے ہوں تا کہ ان سے رابطہ و تعلق قائم رکھ کر وہ اپنا کام لے سکیں۔ اب اس بات کا خیال کیجیے کہ انگریز ایک ایسا طرز تعلیم رائج کر گئے جو نہ تو اسلامی ہے اور نہ وہ نظام تعلیم جو خود ان کے ہاں رائج ہے جس سے کم از کم دنیاوی اور مالی اعتبار سے کچھ فائدہ مند نتائج برآمد ہو سکتے تھے جیسا کہ ان کے ہاں یورپ میں ہے۔ تعلیم کے اس طرز اور انتظام سے ایک طرف تو اسلامی آثار و افکار کو یکسر ختم کر دیا گیا جبکہ دوسری طرف ستم بالائے ستم یہ کہ وہ دنیاوی اعتبار سے بھی کچھ کرنے کی نہیں ہے۔ بس یہ ہے وہ سم قاتل اور قتل گاہیں جن کے ذریعے ہماری قوم کو معنوی اعتبار سے قتل کیا جا رہا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ؔ

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی
یوں قتل پہ بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

نتیجتاً کالجز اور یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے کی اکثریت دین سے کوسوں دور ہیں۔ بحیثیت مسلمان اپنے ملک قوم و ملت سے غداری کر کے صرف اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے والے اور یہود، ہنود و نصاریٰ کے آلہ کاروں اور غلاموں کو ایسی کھیپ تیار ہو رہی ہے جو اکثر بے دین، ملک و قوم کے خائن، بے وفا اور غیروں کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ دوسری جانب ان دینی مدارس سے فیض یافتہ ہونے والوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے ان میں مذکورہ خرافات کی بجائے دیانت، شرافت، دین و ملک سے محبت وفاداری اور وقت آنے پر بحیثیت مسلمان قوم و وطن پر کٹ مرنے کا جذبہ جا بجا مجموعی اعتبار سے موجود ملتا ہے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ جہاں دین اور وطن کی بات بیک وقت درپیش ہوتی ہے وہاں انکا قصور مغرب سے متاثرہ سیکولر اور روشن خیال طبقہ کی نظر میں یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اور قوم کے تمام معاملات دین کی روشنی میں نمٹانا چاہتے ہیں اور بس۔ جدید تعلیمی اداروں کا جو ماحول ہے اور جس طرح اس میں فرنگی کلچر کو اب جو رواج دیا جا رہا ہے اسی ترقی پسندی اور اسلامی نظامِ تعلیم جس سے خدا شناس، دیندار

اور ملک و قوم کے وفادار پیدا ہوتے ہیں، کورجعت پسندی، بنیاد پرستی، انتہا پسندی، فرقہ واریت اور دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ الغرض سامراج کی اس شیطانی یلغار کے دور میں دینی مدارس نے علوم قرآن وسنت کا چراغ روشن کر رکھا ہے۔ قدیم دار لعلوم سسٹم نے ایک جانب تو اسلامی اقدار کی حفاظت کی یعنی وہ اقدار جو ابھی باقی تھیں۔ دوسری جانب بیرونی نظام تعلیم اور حکومتوں کی مزاحمت کی اور آزادی کی تحریکات سمیت عالم اسلام میں اٹھنے والی تمام تحریکات میں بھرپور اور جاندار حصہ لیا۔ پاک وہند کی حد تک حصول آزادی کے بعد بھی ان کا کردار کافی حد تک قابل تحسین رہا ہے۔ اسلامی انقلاب کے لیے کام کرنے والے حضرات منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے بہت سی تدابیر اختیار کرتے اور بہت سی اسکیمیں سوچتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک تدبیر یہ بھی سوچی گئی کہ معیاری تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں۔ کیونکہ دنیا میں اصلاحی اور انقلابی تحریک کے لیے نظریہ حیات کی ضرورت ہوتی ہے اور نظریہ حیات ظاہر ہے کہ کتاب و قلم کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی تحریک علمی قوت اور اس کے نظریہ تعلیم کی اساس پر قائم ہونے والے علمی اداروں کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔

جن جن تنظیموں اور تحریکوں نے اس اہمیت کو مدنظر رکھ کر مدارس کا قیام اور اس میں تحریکی کام کو اپنا ہدف بنایا وہ کامیاب ہوئے اور انھوں نے یہاں کافی بااعتماد اوپکے کارکن پیدا کیے۔ دار العلوم اور مدرسہ سے فارغ شخص یا تو امام وخطیب ہوگا تو منبر و محراب سے وہ نہایت ہی موثر کردار ادا کرسکے گا اور اگر وہ کوئی اور کاروبار زندگی اور ملازمت اختیار کرے گا تو دنیاوی تعلیمی اداروں کالجز اور یونیورسٹیز سے فارغ ہونے والے کی نسبت دار العلوم و مدرسے کے اس فیض یافتہ فرد پر اسلام کی چھاپ اور اس کے اثرات پھر بھی موجود رہیں گے۔ کیونکہ کاروبار زندگی اور ملازمت روزمرہ کی ضروریات میں شامل ہیں جبکہ آخرت میں نجات کا حصول ہمارا ناگریز مقصد۔ اس لیے ہمیں مدارس علماء و طلباء پر توجہ دینا ضروری ہے۔

کیا دینی مدارس والے دہشت گرد اور قدامت پسند ہیں؟

مدارس اور اہل مدارس کے خلاف یہود و نصاری، اھل یورپ اور ان کے آلہ کاروں کا یہ پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ انتہا پسند، دہشت گرد، جمود کے شکار، بنیاد پرست اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ علماء و طلبہ اس لیے بنیاد پرست ہیں کہ الٰہی قوانین اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے باعث بے پردگی سے انھیں نفرت ہے۔ شراب و شباب سے دور بھاگتے ہیں، رقص اور سرور کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ سود کو خنزیر کے گوشت کی طرح حرام سمجھتے ہیں، چور کا ہاتھ کاٹنا اور زانی کو کوڑے لگانا فرض جانتے ہیں، دنیا میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی صورت میں حقیقی عدل کا بول بالا چاہتے ہیں۔ کتاب و سنت کا مسجد کے حجرہ اور مدرسہ کی درسگاہ کے ساتھ ساتھ اسے قصر سلطنت اور ایوان عدالت تک لانا چاہتے ہیں۔ یہ مدارس کے علماء و طلبہ علوم نبوت کے وارث اور کتاب و سنت کے مبلغ و داعی ہیں۔ رات کے سناٹے میں جب نفلی نمازوں میں تلاوت کرتے ہوئے یہ سسکیاں بھرتے ہیں تو ان کے رونے پر بہت سوں کو رونا آتا ہے، ان کی پیشانیوں پر ایمان کی نور برستا ہے ان کے زہد و تقوی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ کاروبار، ملازمتوں اور دکانوں کے معاملات سمیٹ کر صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے یہاں ان دینی مدارس میں آتے ہیں۔ ان کے بھی گھر ہے جیسے اوروں کے، ان کے ارمان اور خواہشات ہوتے ہیں جیسے سب کے ہوتے ہیں، ان کی بھی آرزوئیں ہیں جیسے دوسرے نوجوانوں کی ہوتی ہیں، ان کے بھی بھائی بہن اور دوست احباب ہیں جیسے سب کے ہوتے ہیں مگر انھوں نے اپنے ارمانوں، آرزوؤں اور تعلقات کو اسلامی کی سربلندی اور حصول علم کی خاطر قربان کردیا ہے کہ ان کے پیش نظر اعلی ترین مقصد یعنی اپنی آخرت میں اللہ کے حضور سرخرو ہونا ہے۔ کلمہ طیبہ سے شدید محبت، پاکیزہ زندگی کی شدید خواہش، دنیا پر دین کی دعوت علوم دینیہ کی اشاعت اور دنیا پر غلبہ اسلام کی شدید آرزو کے سوا ان کا کوئی جرم نہیں۔ ہاورڈ، کیمبرج اور آکسفورڈ جیسے جیسی یونیورسٹیوں سے درآمد شدہ دینوی و عصری علوم کے حصول پر تو ان اسلام پسندوں کو ہر گز اعتراض نہیں، اعتراض تو وہاں سے درآمد شدہ کلچر پر ہے،

بلکہ شکوہ تو اس بات کا ہے کہ ان مغربی تعلیمی اداروں کی مادی ترقی ہی کو سب کچھ سمجھ کر ان سے مغلوب ہو کر خود کو روشن خیال اور روشن دماغ کہلانے والے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ بوریہ نشین طلبہ و علمائے کرام اگر کسی چبوترے پر بیٹھ جائیں تو مدرسہ [صفہ] بن جاتا ہے۔ روشن خیال طبقہ یہ کیسے مان لیں کہ ان کی نظر میں حقیر اور پس ماندہ یہ لوگ اگر انار کی درخت کے نیچے چادر بچھالیں تو وہ جگہ دار لعلوم [دیوبند] کا روپ دھار لیتی ہے۔

ان اغیار کے ذہن میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ ان طلباء و علماء کے بزرگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہر چیز سے زیادہ علم کے حریص تھے، علم کی خاطر عزیزوں کی جدائی، علم کی خاطر جگہ جگہ پیدل سفر، بھوک اور پیاس، گمنامی اور گوشہ نشینی، محنت مشقت غرض کسی بھی چیز سے نبر آزما ہونا مشکل نہیں گردانتے تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جو قرآن، حدیث و فقہ اور بلاغت وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرتے تھے۔ امام شعبیؒ نے تقریباً چار سو تابعین کرامؒ سے اس طرح سماع حدیث کیا کہ بسا اوقات انھیں ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑا۔ علی بن مدینیؒ نے طلب علم کے شوق میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ اور یمن وغیرہ کی خاک چھانی۔ امام ابو حاتم رازیؒ نو عمری ہی میں طلب علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے، جب پہلی مرتبہ اس مقصد کے لیے نکلے تو سات سال تک سفر ہی میں رہے۔ بحرین سے سفر پیدل ہی کیا اس وقت ان کی عمر بیس برس تھی۔ حافظ ابو العباس رازیؒ مادر زاد نابینا تھے، اس کے باوجود علم حاصل کرنے کے لیے بلخ و بخارا اور نیشاپور وغیرہ کا سفر کیا۔ امام بخاری، امام مسلمؒ اور دیگر آئمہ حدیث کے علم حدیث کے حصول کے لیے مشقتوں اور اسفار کے عجیب عجیب واقعات کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ کالج اور یونیورسٹی میں داخلہ لے کر پورا پورا سال غیر حاضر رہنے والوں کو یقین کیسے آئے کہ آج بھی دینی مدارس کے ایسے طلبہ پائے جاتے ہیں جو پورے سال میں ایک دن بھی غیر حاضر ہونا برداشت نہیں کر سکتے اگر وہ بخار میں اگر تب بھی رہے ہوں پھر بھی درس گاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ آج کل دینی مدارس میں صاحب ترتیب طلبہ کو سال کے آخر میں انعام دینے کی رسمی چلی ہے۔ صاحب

ترتیب ایسے طالب علم کو کہا جاتا ہے جس نے پورے سال میں اتفاقیہ یا بیماری کی وجہ سے کوئی ایک بھی غیر حاضری نہ کی ہو، نہ تو درس گاہ سے غائب ہوا ہو اور نہ ہی تعلیمی سال کی کوئی ایک رات اس نے مدرسہ کے دارالاقامہ ہاسٹل سے باہر گزاری ہو۔ تقسیم انعامات کے وقت ایک سال کے صاحب ترتیب تو بیسیوں ہوتے ہیں ہم نے تو پورے تعلیمی دورانیہ کے بھی صاحب ترتیب دیکھے ہیں گویا انھوں نے پورے دس سال اس استقامت اور پابندی سے گزارے کہ ان کی کوئی ایک بھی غیر حاضری نہ ہوئی ان انعام یافتگان میں ایسے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی ہوتے ہیں جن کے ہم عمروں کا پورا پورا دن محلے کی دوکانوں میں ویڈیو گیمز یا میدانوں میں کرکٹ کھیلتے گزر جاتا ہے۔ ستم یہ کہ دینی مدارس سے منسوب افراد کو انتہا پسند اور دہشت گرد پسند تصور کیا جارہا ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے ؟ کیا واقعی یہ لوگ دہشت گرد ہیں ؟ نہیں۔ ہر گز نہیں۔ یہ علمائے کرام اور طلبہ دہشت گرد اور انتہا پسند نہیں بلکہ یہ تو علم اور جہاد کے ذریعے دہشت گردی، انتہا پسندی، ظلم و بربریت کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو دقیانوس اور جعت پسند ہیں اور نہ فسادی اور دیوانے، بلکہ عالم دنیا میں امن کے متوالے ہیں۔ دہشت گرد اور انتہا پسند تو وہ خوفناک دیو اور کفر کے غلیظ مگرمچھ ہیں جنھوں نے اپنے جبڑوں میں افغانستان سے چیچنیا تک اور کشمیر سے فلسطین اور عراق تک مظلوم مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ سے فقر و فاقہ کی حالت میں جکڑے رکھا، جنھوں نے مسلمانوں کو کیوبا کی گوانتانا موبے جیل اور عراق کی [ابو غریب] جیل میں حیوانیت سے بھی بدتر سلوک کے ساتھ رکھا، دہشت گرد تو وہ ہیں جنھوں نے بے بس عورتوں، معصوم بچوں اور بوڑھوں کا خون بہا کر اپنے ظلم و ستم سے تار تاریوں کی تاریخ کو شرمندہ کردیا۔

دہشت گرد تو وہ ہیں جو سات سمندر پار کر آکر مسلمانوں کے ممالک، املاک، تیل و معدنیات وغیرہ پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے ہیں، جنھوں نے بے کس مظلوم بے گناہ عوام پر کروز میزائل، ڈیزی کٹر اور کلسٹر بم پھینکے، ہزاروں عورتوں کو بیوہ کیا، کئ بچوں کو یتیم بنایا، بوڑھوں اور ضعیف العمر لوگوں پر ظلم و تشدد کی انتہا کردی۔ مشرقی تیمور میں مسلمان مردوں،

عورتوں کو ذبح کرکے ان کے سر کاٹ دیے گئے، معصوم بچوں کے کٹے ہوئے سروں کو تلواروں اور نیزوں کی نوک پر اٹھایا گیا۔ مگر خود مسلمان ممالک اور مہذب کہلانے والے اھل مغرب کے کانوں میں جوں تک نہ رینگی۔

ارے! مظلوموں نے کیا دہشت گردی کی تھی، دنیائے کفر یہود و نصاری کا کیا بگاڑا تھا! دشمن کو اپنی دہشت گردی تو نظر نہیں آتی لیکن جب کوئی مجاہد مسلمان اپنے ملک وطن اور دین اسلام کی دفاع کی بات کرتا ہے، ظلم اور اس فرعونیت کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ ان بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کا سہارا بنتا ہے اپنی ملکیت اور اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ دنیا والوں کی نظر میں دہشت گرد اور شر پسند کہلاتا ہے۔ دنیا کفر کو اپنے خود ساختہ قوانین کے نفاذ اور حیوانیت سے معمور اس بدترین تہذیب کو تو اپنانے میں کھلی چھٹی ہے جس میں مادر پدر آزادی ہے، جس میں زناکاری، شراب خوری، اغلام بازی اور اخلاقیات سے گری ہوئی گھٹیا حرکات قانوناً جائز ہیں، ان کے ہاں انسانی آزادی کے نام پر ایسے ایسے قوانین نافذ ہیں کہ اخلاقیات کو مجبوراً اپنا منہ چھپا کر بھاگنا پڑتا ہے، ہوٹلوں اور پارکوں میں کھلے عام ایسی حرکات جاری ہیں کہ جنہیں دیکھ کر بے شرم سے بے شرم آدمی بھی ایک مرتبہ تو شرم سے نظر جھکا ہی لیتا ہے۔ خود کو مہذب کہلانے والے اھل مغرب کی اخلاقی بد حالی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ عورت عورت سے اور مرد مرد سے اپنی جنسی خواہشات پورا کرنے کے لیے علی الا علان نکاح کرسکتا ہے، جس معاشرے کا یہ حال ہو کہ اولاد اپنے والدین کو ضعیف حالی میں گھروں سے اٹھا کر اولڈ ہاؤسز میں تو چھوڑنے پر تیار ہیں، مگر خود ان کی خدمت کے لیے قطعاً تیار نہیں، ایسی بربریت اور حیوانیت سے بھرپور قوانین نافذ کرنے میں تو وہ آزاد ہیں اور ان کا حق سمجھا جاتا ہے، مغرب کی نظر میں یہ تو دہشت گردی اور بدتہذیبی نہیں مگر اللہ تعالی کا ایک بندہ اگر اپنے خالق و مالک کے بہترین امن وامان اور انصاف کے ضامن قانون شریعت کو نافذ کرنے کا نام لیتا ہے تو وہ دہشت گرد اور فسادی بن جاتا ہے؟

یہ جان لینا چاہیے کہ انتہا پسند تو وہ لوگ ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے بحری راستوں

پر ناحق قبضہ جما رکھا ہے اور ان کے دیو ہیکل بحری بیڑے مہلک اور آتشیں ساز و سامان کے ساتھ سمندروں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ ان کے فوجی اور عام شہری اسلامی ممالک میں دریافت ہونے والے تیل کے چشموں اور معدنیات کی کانوں بچھڑے اڑاتے ہیں، جبکہ مسلم عوام بھوک، غربت اور بے روزگاری کا عذاب سہنے پر مجبور ہیں۔ کیا دنیا نے نہیں دیکھا فلسطین کے نہتے مسلمانوں کے ساتھ ایک طویل عرصہ سے کیا ہو رہا ہے۔ ان کی اپنی سرزمین کیا ان پر تنگ نہیں کر دی گئی؟ کیا ان کی اجیرن کی گئی زندگی کسی کو نظر نہیں آ رہی؟ کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ کس درندگی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ چیچنیا، افغانستان، عراق میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی بربریت کیا دنیا والوں کو دکھائی نہیں دیتی!!! دنیا کے کسی بھی کونے پر نظر دوڑائیں ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ کیا عالم کفر نبرد آزما نہیں؟ یہ جان لینا چاہیے کہ انتہا پسند تو وہ ہیں جنھوں نے کیمپوں میں محصور فسلطینیوں کو مردار اور حرام گوشت کھانے پر مجبور کر دیا، ان کے اپنے خون پسینے سے تعمیر کیے گئے گھروں کے دروازے ان پر نہ صرف بند کر دیئے گئے بلکہ جب جی چاہتا ہے ان بے کسوں کے گھروں پر چڑھائی کر کے انھیں بلڈوز کر دیتے ہیں، جیلوں میں ان کے جسم بلیڈ سے لہولہان اور ان کے ناخن اکھیڑ دیئے گئے۔

انتہا پسند وہ ہیں جن کی اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے پندرہ لاکھ عراق بچے بھوک کی شدت اور ادویات کے عدم حصول کے باعث لقمہ اجل بن گئے اور جن کی بھڑکائی ہوئی آگ سے آج بھی بصرہ، کوفہ اور بغداد کے در و دیوار جل رہے ہیں۔ جن ایٹمی اور کیمیاوی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر عراق کی زمین پر ہزاروں ٹن بارود کی بارش کی گئی، ان میں سے انسانیت کو تباہ کرنے والے کوئی ایک ہتھیار بھی برآمد نہ ہو سکا جبکہ خود اھل مغرب اور یہود انسانیت کی بربادی کے لیے دن رات نت نئے ہتھیاروں سے لیس بیٹھے ہیں لیکن انھیں کوئی پوچھنے والا نہیں جن عراقی عوام کو صدام حسین کی غلامی سے نجات دلانے اور جمہوریت کی نعمت سے مالا مال کرنے کے لیے یہ سارا ڈھونگ رچایا گیا تھا وہ تو نعمت کی صورت میں مصیبت اور آزادی کے رنگ میں غلامی قبول کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں۔ انتہا پسند تو وہ ہیں، جنھوں نے محض ایک

شخص کے تعاقب میں پورے افغانستان کو ادھیڑ ڈالا اور افغانوں کی سرزمین پر قابض ہونے کے بعد بے سہارا قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ بدترین طریقے سے کنٹینرز میں بند کر جلتے ہوئے صحراؤں میں چھوڑ دیا، جہاں زمین تانبے کی طرح گرم تھی اور آسمان سے شعلے برستے تھے۔ کنٹینرز میں محبوس قیدی، درد سے چیختے، پیاس سے بلکتے، جسموں سے ٹکراتے ٹکراتے آخری ہچکیاں لیتے رہے، مگر انتہا پسندوں کے دل نہ پسیجے۔ انتہا پسند وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی مملکت کو کتے سے تشبیہ دی، ان کی مقدس کتاب کو غلاظت میں بہانے اور توہین رسالت جیسے انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے اس سے قبل بھی متعدد توہین آمیزہ اور اشتعال انگیز واقعات پیش آچکے لیکن انھیں ہمیشہ نظر انداز ہی کیا جاتا رہا۔ ایسا بھی ہوا کہ مسلمان مجاہدین کو مشتعل کرنے کے لیے اس عظیم انسان کو گالیاں دی گئیں جسے کتاب ہیر و آف ہیروز کا عیسائی مؤلف بھی سب سے بڑا انسان قرار دینے پر مجبور ہے۔ کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی اور طارق بن زیاد جیسے عظیم فاتحین اسلام کو برا بھلا کہا گیا۔ کبھی صیہونی فوجی قرآن کریم کے پاکیزہ اوراق پر اپنے غلیظ قدم رکھ کر مسلمانوں کو چیلنج کرتا ہے کہ بلاؤ اپنے رب کو تاکہ تماری مدد کرسکے اور یہ واقعہ تو میڈیا میں ہی آچکا ہے کہ ایک امریکی جج نے مسلمان مجاہد کی گرفتاری پر منجبر کو لاکھوں ڈالر کی ادائیگی پر چیخ کر کہا تھا کہ لاکھوں ڈالر دینے کی کیا ضرورت تھی یہ پاکستانی تو چند ڈالروں کے عوض اپنی ماں بیچنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

صیہونیوں اور صلیبیوں اپنے قول اور عمل سے مسلمانوں کو انتہا پسندی کی راہ پر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن مسلمانوں نے اس راہ پر چلنے سے انکار کر دیا۔ نہ مسلمانوں نے ان کے بچوں کو بھوک سے تڑپایا اور ان کے جوانوں کے مردار کھانے پر مجبور کیا اور نہ ان کے نزدیک ان کو کسی محترم شخصیت کو گالی دی، نہ ان کی کسی مذہبی کتاب کا تقدس پامال کیا۔ مسلمان یہ سب کچھ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ ایک عظیم اور معتدل امت ہیں اور انھیں اعتدال پر چلنے رہنے کی تاکید ان کے سچے اور لازوال دین کی جانب سے کی گئی ہے۔ ظلم کے خلاف جہاد

بھی اعتدال ہی ہے۔ ان شاء اللہ مسلمان اعتدال پر ہی جئیں گے اور اعتدال پر ہی مریں گے۔ کفار تو چلو پھر بھی کھلے دشمن ہیں لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جو اپنے کہلاتے ہیں۔ ان کے منہ میں بھی کفار کی زبان بولتی ہے۔ ان کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام کے دشمن جو کچھ مسلمانوں کے خلاف کہہ یا کر رہے ہیں وہ اپنے بھی دشمن کے غلام اور نقال بن کر وہی بولی بول رہے ہیں۔

کیا دینی مدارس اور علمائے کرام ترقی میں رکاوٹ ہیں؟

اس طرح مدارس اور علمائے کرام پر جو سب سے بڑا اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مدرسہ اور مولوی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، ساری دنیا ترقی کرتی چلی جارہی ہے، مگر یہ ہمیں ترقی نہیں کرنے دیتے، زمانہ بدل گیا، دنیا نئے دور میں داخل ہو چکی ہے، نئے تقاضے ہیں، انسان چاند تک پہنچ گیا ہے، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو ایک بڑے ہال میں تبدیل کر دیا ہے لیکن مدارس میں مولوی صاحب وہی پرانی باتیں دہرائے جارہے ہیں۔ نماز، روزہ، ڈاڑھی، پگڑی، مسجد، مدرسہ۔ ذکر و تلاوت، حلال، حرام، پاک ناپاک، ڈھیلا لباس، ٹخنوں سے اونچی شلوار، صدیوں پرانے مسائل، پرانے قصے پرانی باتیں، پرانے خیالات دقیانوسیت اور قدامت پرستی کی انتہا یہ ہے کہ ٹی وی سے پرہیز ہے، ناچ گانے سے اجتناب ہے، بہنوں اور بیٹیوں کے بے پردہ باہر نکلنے کی مخالفت ہے، مخلوط اجتماعات کی حرمت کے فتوے ہیں، سود خوری پر وعیدیں اور ڈرامے ہیں وغیرہ۔۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد زمینی حقائق کو یکسر نظر انداز کر کے مزید بڑے دکھ کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان حالات میں ملکی ترقی کرے تو کیسے کرے؟ گویا مدارس اور مولوی کے بہکاوے میں آکر پورے ملک دقیانوس اور قدامت پرست بن چکا ہے، خیر سے آشیانہ فقیر سے لے کر کاشانہ امیر تک ہر جگہ نماز روزہ کا اہتمام ہو رہا ہے ہر صاحب ثروت زکوۃ دے رہا ہے، ہر چہرے پر ڈاڑھی ہے، ہر سر پر ٹوپی یا عمامہ ہے، ہر گھر ٹی وی سے پاک ہو گیا ہے اور وہاں سے گانوں کی منحوس آواز کی بجائے قرآن کی مقدس اور وجد آفریں تلاوت کی آواز آرہی ہے، ہر بہن اور بیٹی نے پردہ شروع کر دیا ہے مخلوت اجتماعات یکسر بند ہو گئے ہیں اور ملک کے ہر چھوٹے

بڑے نے سود خوری سے توبہ کرلی ہے، بینکوں پر تالے پڑ گئے ہیں اور عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے انسانیت دشمن مگر مچھوں کو ملک سے نکال دیا گیا ہے۔ جب ایسا نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا، بلکہ خود آپ کے دعوے کے مطابق مولوی کی تقریر اور وعظ صدا بصحرا ثابت ہو رہے ہیں جو جنگل کے حیوانات تو سن لیتے ہیں مگر شہروں کے انسان اس بے وقت کی راگنی پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں، پھر اب ہونا تو چاہیے تھا کہ یہ ملک خوب ترقی کرتا، یہاں بے روزگاری نہ ہوتی، صنعتی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جاتی، کوئی نونہال تعلیم سے محروم نہ رہتا، ہر شہر اور گاؤں میں پینے کے لیے دودھ نہیں تو کم از کم صاف پانی ہی میسر آجاتا ہے، کوئی گھرانہ بھوکا نہ سوتا، کسی باپ کو اپنے بلکتے تڑپتے بچوں دیکھ کر خود کشی نہ کرنی پڑتی، کوئی بیمار علاج معالجہ سے محروم نہ رہتا، شہر کی کوئی سڑک صدیوں پرانے گاؤں کی سڑک کا منظر پیش نہ کرتی، ہم کمپیوٹر کے میدان میں یورپ کو نہیں تو کم از کم پڑوسی ملک انڈیا ہی شکست دے دیتے۔

اپنی ضرورت کی ہر چیز، گاڑی، اسلحہ اور ادویات وغیرہ خود تیار کر سکتے ہیں، لیکن کیا واقعی ایسا ہوگیا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہوا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہیں ہوا؟ کیا مولوی نے ہمیں اس ترقی سے روکے رکھا ہے؟ اس نے خاک کسی کو روکنا ہے اس بیچارے کی آواز تو مسجد اور مدرسہ سے باہر سنائی نہیں دیتی، اس کے حلقے میں چند عامیوں، مسکینوں اور گنواروں کے سوا کوئی نہیں۔ سائنسدان، انجینئر، جج وکیل، بیورکریٹس، ڈاکٹرز اور پروفیسرز تو اس کے اثرات سے محفوظ ہیں۔

ان حالات میں ہونا چاہیے تھا کہ ملک عزیز، سائنس، میڈیکل اور انجینئرنگ کے میدانوں میں رشک دوستاں اور وغیظ دشمناں کا منظر پیش کر رہا ہوتا، لیکن جب حکمرانوں کی بد اعمالیوں، بیورکریٹس کی حرام خوریوں، لیڈروں کی ایمان فروشیوں، انتظامیہ کی رشوت ستانیوں، عدلیہ کی موقع پرستیوں، سائنس دانوں کی بے اصولیوں، سرکاری ملازمین کی خرمستیوں اور عوام کی مدہوشیوں کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا تو ہم نے اپنے تنزل اور پستی غربت اور پسماندگی کا سارا الزام مدارس اور مولوی پر ڈال دیا۔ پھر یہ سوال کیا جاتا ہے ملک ترقی کیوں

نہیں کرتا ؟اور عوام کے اندر ملک کے لیے قربانی دینے کا جذبہ کیوں ختم ہوتا جارہا ہے ؟ یہ سوال کرنے والے اس کا جواب بھی خوب جانتے ہیں، لیکن ان کے اندر یہ جرات تو ہے نہیں کہ اپنے جرائم کا اعتراف کرسکیں اور چونکہ نزلہ ہمیشہ ضعیف پر ہی گرتا ہے، اس لیے کسی اور کو ذمہ دار ٹھہرانے کی بجائے مولوی اور مدرسہ کو ذمہ دار ٹھرا کر جان چھڑالی جاتی ہے۔آنکھیں اور دماغ کھول کر یہ سوچنا چاہیے کہ جو محکمے اور ادارے کسی قوم کی دنیاوی ترقی کے سلسلہ میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں ان محکموں اور اداروں کے ساتھ مولوی کا کوئی تعلق نہیں، حکومت، خزانہ، کسٹم، انکم ٹیکس، ریلوے، بجلی، ٹیلی فون، بینکاری،، عدلیہ اور انتظامیہ ان میں سے کسی کی بھی سر براہی کسی مولوی کے پاس نہیں، پھر یہاں وہ مزعومہ ترقی کیوں نہیں دکھائی دیتی جس کے حصول کے لیے ڈاڑھیاں منڈوانے، ٹوپیاں و عمامے اتارنے، مخلوط، مجلسیں سجانے، سود کھانے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کی ترغیب دی جارہی ہے۔ کرپشن ایک ایسی خطرناک بیماری ہے جس نے ہر محکمے کو بیمار کرکے رکھ دیا ہے اور ہر ادارے بلکہ پاکستان کی بنیادیں ہلادی ہیں،اس بیماری سے پاکستان کا بین الاقوامی امیج بھی خراب ہو رہاہے اور ترقی کا سفر بھی روک گیاہے، پولیس ڈاکوؤں کی سرپرستی کرتی ہے، عدالتوں میں قانون کی بولی لگتی ہے اور انصاف فروخت ہوتا ہے، ایک آدمی جس سے راہزنی، ڈکیتی اور بے گناہ جیسے گھناؤ نے جرائم سرزد ہوئے تھے اور جسے اس کے جرم پر گواہوں کی موجودگی میں عدالت میں موت کی سزا سنائی گئی ہوتی ہے اعلی عدالت میں اپیل اور تگڑے وکیلوں کے گٹھ جوڑ کے باعث وہ باعث ہو کر بڑے فخر سے نکلتا ہے۔

یہی وجہ ہے جس کے ہاتھ خون میں رنگے ہوتے ہیں وہ اسلام کے مطابق عبرت ناک سزاؤں کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور غریب اور معاشرے کا وہ کمزور شخص جس کے ساتھ بدترین ظلم وزیادتی ہے وہ آسمان کی جانب نگاہ اٹھائے خون کے آنسو رو رہاہے۔

اسی استحصال کی باعث کمزور عقیدے والا کفریہ کلمات کہنے لگتا ہے۔ صحافی قلم کا سودا کرتے ہیں اور وزرائے کرام کمیشن کے عادی ہو چکے ہیں، پارلیمنٹ بکرا منڈی کا منظر پیش کرتی

ہے اور ہارس ٹریڈنگ بلکہ خر ٹریڈنگ اس ملک کی پہچان بن چکی ہے لیکن خورد بین لے کر دیکھیے !اس متعدی اور ہمہ گیر بیماری میں کوئی عالم حق بھی ملوث ہے ؟ یہ ملک جو مشرقی اور مغربی دو حصوں پر مشتمل تھا اور ہماری اپنی ہی بد اعمالیوں اور ناجائز وظالمانہ ، ہتھکنڈوں کی وجہ سے دولخت ہوا، کیااس میں کسی مولوی کا بھی کوئی کردار تھا؟

حقیقت تو یہ ہے کہ جو واقعی مولوی ہے وہ ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تو کیا بنے گا، تو اس ملک کے رشک و فلک دیکھنا چاہتا ہے، اس کی آرزو ہے کہ یہاں عدل اور انصاف ہو اور بہتے پانی کی طرح عام ہو، کوئی غربت زدہ باپ بھوکے بچوں کے سامنے بے بسی کے آنسو نہ بہائے، کسی بدنصیب اور معاشی طور پر بدحال ماں، بہن اور بیٹی کو کسب معاش کے لیے شہوانی نظروں کا سامنا نہ کرنا پڑے ،اس کی فیکٹریوں اور کارخانوں کی چمنیاں سدا دھواں اگلتی رہیں ،اس ملک کا کوئی ادارہ عالمی بینک اور یہودیوں کے ہاں گروی نہ رکھوانا پڑے ،یہاں کے باسی مشنیری سے لے کر جہازوں اور ایٹم بموں میں خود کفیل ہوں ، ملک عزیز پاکستان کے سائنسدانوں کے قدم آگے بڑھ کر سورج اور چاند کو مسخر کریں۔

ہر محنتی، دیانتدار اور محب وطن شہری کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے اور راشیوں ، ڈاکوؤں، قاتلوں، وطن فروشوں، ایمان دشمنوں اور عزتوں کے لٹیروں کی لاشیں ہر چوراہے پر لٹکتی دکھائی دیں، لیکن مولوی کا خیال یہ ہے کہ یہ امن وسکون مکہ اور مدینہ کے نقشوں میں تو مل سکتا ہے ،امریکہ اور برطانیہ کی غلامی میں قطعاً نہیں ، مولوی کی رائے یہ ہے کہ صنعتی ، تجارتی اور معاشی ترقی باحجاب اور باحیارہ کر بھی حاصل ہو سکتی ہے،اس کے لیے عریانیت، بے حیائی اور بے دینی ضروری نہیں۔

آمدم برسر مطلب :

اسی صورت حال کے پیش نظر درد دل رکھنے والے بوریہ نشین علمائے کرام نے دینی علوم کے تحفظ اور مسلم معاشرے کو عیسائیوں کے کلچر میں ضم ہونے سے بچانے کے لیے علیحدہ دینی مدارس قائم کیے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں پورے برصغیر

میں دینی مدارس کا ایک جال بچھ گیا۔ ان مدارس نے صفہ کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مسجد اور مدرسہ کی یکجائی، یکساں نصاب اور مفت تعلیم کو قائم رکھا۔ چونکہ استعمار نے ان اداروں پر معاش کے دروازے مکمل طور پر بند کر رکھے تھے، لیکن ہر طرح کی سہولت سے محروم ہونے کے باوجود مسلمانوں کی دینی اور ملی غیرت نے اس چیلنج کو قبول کیا اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک بڑی کامیابی سے اس نظام کو چلایا اور اس کے ذریعے سے بہترین رجال کا تیار ہو جائے۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد توقع تھی کہ ملک کے نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے گی، لیکن بد قسمتی سے اب تک غلامی کی زنجیروں سے ہم آزاد نہیں ہو سکے اور اب بھی ایک ہی ملک میں دو متوازی نظام ہائے تعلیم رائج ہیں۔ دو سو سال سے یہ دینی مدارس عملی زندگی سے الگ ہیں اور اب بھی انگریز کے پروردہ انھیں زندگی کے دھارے میں شامل نہیں ہونے دیتے جہاں معاش کی کنجیاں چھین لی گئی اور ان سے تعاون کرنے پر پابندی لگائی گئی وہاں علوم دینیہ کا باقی رہنا بھی ایک کرامت ہے۔

دینی مدارس کے خلاف سازشیں:

مدارس اور علمائے کرام اور طلبہ کے خلاف زہریلے پروپیگنڈوں کے ساتھ ساتھ مغرب اس وقت مدارس کے خلاف تین طرح کی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پہلی کوشش یہ ہے کہ دنیا والے اہل مدارس سے ایسے ہی بیزار۔۔۔۔۔۔۔اور یہ دنیا والوں کے لیے ایسی ہی اجنبی ہو جائیں جیسے کہ خود ان کے یہاں عیسائی مذہبی ادارے معاشرے پر اپنی گرفت کھو چکے ہیں اور دن بدن بے بس ولاچار ہوتے جا رہے ہیں، عیسائیت کا کردار مغربی دنیا میں صرف اتوار کی سروس تک ہے۔ صرف اس دن گناہوں کے زائل کرنے کے لیے چھٹی دینے اور فیس بھرنے تک ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام کے نام لیوا اور اس کے داعی ۔۔۔۔۔یہ بھی مساجد تک محدود ہو جائیں اور دم درود، نذر و نیاز، کے علاوہ ان کے معاشرے میں کوئی کردار نہ ہو۔ اس رواں دواں زندگی، جیتے جاگتے معاشرے اور ہر پل بدلتے عالم سے ان کا کوئی سروکار نہ ہو۔ یہ ان کو متحرک و فعال زندگی سے کاٹ کر آثار قدیمہ کی سی حیثیت دلا

دی جائے۔ کیا ہم اور آپ ذلت برداشت کر سکتے ہیں؟ کیا ہمارے اکابر کا طرز عمل ایسے موقع میں یہی رہا تھا؟ ہرگز ایسا نہ تھا۔ اہل مغرب اور ان کے ہمنو چاہتے ہیں کہ سارا معاشرہ ایک اور انداز میں سوچے جبکہ اہل مدارس اپنی زندگی کا مقصد کسی اور چیز کو بنا کر چل رہے ہوں یہ اہل مدارس ایک ایسے گوشے میں محصور کر دیے جائیں جہاں ان کی بات سمجھنے اور سننے والا نہ ہو۔ اور دشمن مدارس کے خلاف اس سازش میں کامیابی کے لیے، دن رات کوششیں ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں۔اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے اس کے مقابلے کا طریقہ یہ ہے کہ اھل مدارس اپنے شعبہ تعلقات عامہ کا کردار کا از سر نو جائزہ لیں۔ پبلک ڈیلنگ ایک مستقل فن ہے۔ آپ عوام سے کٹ کر نہ رہیں، ان میں نفوذ کریں اور ان کے ساتھ رابطے استوار کریں اور مدارس کی نافعیت اور اہل مدرسہ کی اہمیت اور مدارس کے نصاب و نظام کے معیار اور کارکردگی سے ان کو آگاہ کریں اور ان کو یہ باور کرائیں کہ ہم آپ کی ضرورت ہیں۔ ہمارے بغیر آپ کی دنیا بھی نہیں چل سکتی اور آخرت تو کبھی بن ہی نہیں سکتی۔ وہ آپ کو معاشرے سے کاٹنا چاہتے ہیں، آپ اس معاشرے پر چھا جائیں۔

آپ ثابت کریں کہ ہم ایک زندہ جاوید پیغام کے داعی ہیں اور ہم جب حیات جاوداں کی دعوت دیتے ہیں تو خود اپنے پاس ایک زندہ جاوید پروگرام بھی رکھتے ہیں۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اب عواموں سے اپنے تعلقات عام کرنے کی ضرورت ہے۔ تعلقات عامہ چونکہ ایک باقاعدہ فن ہے اس لیے اس کو بھی نصاب میں رکھنا چاہیے۔ پوری امید ہے کہ اس کے بے حد اچھے نتائج دیکھے جا سکیں گے۔

دوسری کوشش مغرب کی یہ ہے کہ مدارس کو جن راستوں سے ذرائع، وسائل حاصل ہوتے ہیں، اس کا انھوں نے بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے، بڑی دقت نظر سے سروے کیا ہے کہ یہ مدارس اپنی ذاتی آمدنی نہیں رکھتے، ان کے مقابلے میں چلنے والے عصری ادارے کروڑوں کے بجٹ پر چلتے ہیں مگر اس طرح مثبت نتائج نہیں دیتے جس طرح یہ بے سرو سامان دینی ادارے نتائج دیتے چلے آئے ہیں۔ ان کے پاس اپنے بجٹ کو پورا کرنے کے لیے کوئی

خاطر خواہ، کوئی مستقل نظام نہیں ہے اس کے باوجود یہ چل رہے ہیں، فروغ بھی پا رہے ہیں، ترقی بھی کر رہے ہیں۔ نئے سے نئے مختلف النوع ادارے وجود میں بھی آرہے ہیں اور نتائج بھی دے رہے ہیں۔ یہ حیرت انگیز بات ہے۔ واللہ ! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اصحاب صفہ کے ساتھ بیٹھنے کا معجزہ ہے۔ مغرب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے چلتے ہیں ؟ انھوں نے ان کا جائزہ لینے کے بعد ظاہری وسائل کو منجمد کرنے کے لیے بند کمروں میں وہ منصوبے بنائے ہیں جو دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ لوگ کس طرح ان دینی اداروں پر اعتماد کرتے ہیں اور اور کیسے اپنے اموال کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنانے کے لیے ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں اور کس طرح بغیر کسی منصوبہ بندی کے اتنے بھاری اخراجات پورے کر رہے ہیں ؟ ان کی کوشش ہے کہ مدارس کے وسائل منجمد کیے جائیں۔ لہٰذا ہمیں مدارس کے لیے مستقل بنیادوں پر سوچنا پڑے گا۔ مدارس کے لیے وسائل کیسے حاصل کیے جائیں ؟ مدارس کس طرح اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں ؟ اس وقت کے آنے سے پہلے یہ سب کام ہمیں کرنا پڑیں گے جب دشمن کوشش کرے گا کہ خدانخواستہ ان کے پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ وسائل حاصل کیسے کیے جاتے ہیں ؟ ان کو منظّم کیسے کیا جاتا ہے ؟ کم وسائل کو بہترین مقاصد حاصل کرنے کے لیے کیسے خرچ کیا جاتا ہے ؟

تیسری بات یہ اہل مغرب اور دشمنان اسلام دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اہل مدارس اس دنیا کے نہیں ہیں، یہ اس دنیا کا نظام نہیں چلا سکتے۔ یہ حقائق سے ہٹ کر آسمان کے اوپر کی بات کر سکتے ہیں۔ زمین سے نیچے پر بھی گھنٹوں گھنٹوں بات کر سکتے ہیں لیکن زمینی حقائق کا حل ان کے پاس کوئی نہیں ہے۔ دنیا جن مسائل کا حل چاہتی ہے یہ ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ یہ زمانے کی قیادت نہیں کر سکتے۔ یہ نظام نہیں چلا سکتے۔ لہٰذا آپ اس مصروف بے جا میں اپنی اولاد، عطیات، افرادی وسائل کیوں خرچ کرتے ہیں ؟ آپ ان کو محبت و عقیدت کا مقام کیوں دیتے ہیں ؟ ان کے سفید کپڑوں کا بھرم کیوں رکھتے ہیں۔۔۔۔؟

اہل مغرب نے مدارس اور اہل مدارس سے حسد اور بغض کی وجہ سے اپنی انگلیوں

تک دانتوں تلے چباڈالیں۔ وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ فرسودہ روایات کے امین ہیں اور دقیانوسی نظریات کے حامل ہیں یہ اس دنیا کے نظام کے نہیں ہیں اگر کبھی شب برات ، جمعرات ان میں سے کوئی کام پڑھ جائے تو ہاتھ چوم کر، نذرانہ دے کر ان سے عقیدت کا اظہار کرلو ۔۔۔۔۔۔۔آگے امید کوئی ان سے نہ رکھے ان میں کوئی تنظیم نہیں ، ان میں اجتماعیت نہیں۔ ان میں اس دنیا کے چیلنج کا سامنا کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ اہل مغرب ان تمام باتوں کا زہریلا پروپیگنڈا بڑے زبردست طریقے سے چلارہے ہیں۔ایک اور بات بھی یاد رکھے ! مغربی حکومتیں اگر صرف مسلمان حکومتوں سے کام لیتے تو چونکہ بے سروسامان ہیں ، بوریا نشین لوگ ہیں اس لیے یہ بھی ان کے لیے کافی تھا ۔۔۔۔لیکن انھوں نے مسلمان حکمرانوں کو بیچ سے ہٹا کر ہمیں براہ راست ہدف بنایا۔ جب انھوں نے براہ راست ہدف بنایا تو یہ بھی ان کے لیے بہت کچھ تھا۔ ہمارے پاس تھا کیا؟ سوائے رات کو آنسوؤں کے دو قطرے بہانے کو کچھ نہیں۔ دنیا کی کونسی طاقت ہماری پاس ہے ؟ یہ محمد رسول اصلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہ ہوتا، اگر اصحاب صفہ سے ہماری نسبت نہ ہوتی ، ہمارے اکابر کی دعائیں نہ ہوتیں اور اللہ نے ان بوریا نشینوں سے ان تخت نشینوں کو شکست نہ دلوانی ہوتی تو ہمارے پاس تو اور کچھ نہ تھا۔ لیکن انھوں نے مدارس پر براہ راست حملے کے بعد آپس میں اتحاد بھی کرلیا۔ ہماری دشمنی نے ان کی باہمی دشمنیاں ختم کردی ہیں۔ ہم مسکینوں کے خلاف دنیا کی تمام طاقتیں ایک ہوچکی ہیں۔ پھر انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا، چھوٹے چھوٹے شیطان بھی اپنے ساتھ ملائے۔ بہت سی ایسے صحافی ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ ٹوپی ، عمامہ ، سفید کرتہ ان چیزوں کے خلاف ذہن بنائیں۔ بہت سی این جی اوز (NGO,s) کو ٹارگٹ دیا گیا ہے کہ کسی طرح سے مدرسہ والوں کو کوئی عیب تلاش کرو، اس کی جو چاہو قیمت ہم سے وصول کرلو لیکن ان لوگوں کو معاشرے میں دنیا والوں کی نظر میں کسی طرح گرادو۔ یہ سب کچھ دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس کے مقابلے میں اہل حق کو بھی کتاب وسنت سے رہنمائی لینی چاہیے کہ ایسے وقت میں کیا کیا جاتا ہے ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ دیکھنا چاہیے ، اکابر کا طرز عمل دیکھنا

چاہیے، اسلام کی سوانح میں تلاش کرنا چاہیے کہ ایسے لمحات میں انھوں نے کیا کیا؟ ایسے وقت میں انھوں نے اپنا تعلق مع اللہ مضبوط کیا، توجہ الی اللہ میں رسوخ پیدا کیا اور توکل علی اللہ کر کے انھوں نے اپنی خامیوں کا جائزہ لیا اور اگر ان کے بارے میں تنقید کی کوئی بات درست کہی جا رہی ہے تو فوراً اس کو ختم کر دیا اور پھر اس کے بعد انھوں نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ تم جو کچھ کہہ رہے تھے۔ غلط تھا، جھوٹ تھا، پروپیگنڈا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام جنھوں نے قلیل ترین وقت میں ایک انقلاب آفرین نظام دنیا کو دیا، ان کے ورثا اگر دنیا کا نظام نہیں چلا سکتے تو پھر دنیا کو کوئی بھی نظام چل نہیں سکتا۔

مدارس عربیہ کیا ہیں؟

دینی مدارس کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدارس کیا ہے؟ اس کا جواب بس سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ مدارس سب سے بڑی کارگاہ ہیں، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے بے لوث داعی اور اسلام کے نڈر سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ مدارس عالم اسلام کے پاور ہاؤس [بجلی گھر] ہیں جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدارس وہ کارخانے ہیں جہاں قلب ونگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں۔ مدارس وہ مقامات ہیں جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے۔ مدارس کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر و تہذیب اور زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس کے زوال کا خطرہ ہو۔ اس کا تعلق براہ راست نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی۔ اس کا تعلق انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے جو ہمہ وقت رواں دواں ہے۔ مدرسہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور زندگی کی نمو و حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ مدرسہ ہر مرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقت اور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کا ایک سرا نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوا ہے اور دوسرا سرا اس زندگی سے۔ مدرسہ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمہ حیات سے

پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کھیتوں میں ڈالتا ہے۔ مدرسہ اگر اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے۔

دنیا میں ہر ادارہ رہر مرکز اور ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لیے آرام ہے، لیکن اس کے مسافر کے لیے راحت حرام ہے۔ جب زندگی رواں دواں ہے تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے، اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے بدلتے ہوئے حالات میں احکام دینے ہیں، ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو جمانا ہے، زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک ہار کر بیٹھ جائے، یا کسی منزل پر قیام کرلے، یا اس کا کوئی مقام خوش آجائے، تو زندگی کی رفاقت اور قیادت کون کرے۔ مدارس کا تعطل قیادت سے کنارہ کشی، منزل پر قیام اور خودکشی کے مترادف اور انسانیت کے ساتھ بیوفائی کے ہم معنی ہے، اور کوئی خود شناس اور فرض آشنا اس کا تصور نہیں کرسکتا۔

اہل مدارس کی ذمہ داری:

یہ تمام کام مدرسہ از خود نہیں کر پاتے بلکہ ان کاموں کو آپ نے کرنا ہے یہ آپ ہی کی ذمہ داری ہے۔ دینی مدارس کا ایک عالم یا ایک طالب العلم کی حیثیت سے آپ کا کام سب سے زیادہ نازک اور سب سے عظیم ہے۔ اس دنیا کی کسی جماعت یا کسی گروہ کا کام اتنا نازک ہو، وسیع اور اہم نہیں جتنا آپ کا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ كَانَتْ بَنُوْاِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاۤءَ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ سَيَكُوْنُ خُلَفَاۤءَ فَيَكْثُرُوْنَ [بخاری] بنی اسرائیل کی سیاست انبیا علیہم السلام کیا کرتے تھے، جب ایک نبی انتقال کرجاتے تو دوسرا نبی ان کی جگہ تشریف لے آتے اور بے شک میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا میرے بعد خلفاء ہوں گے اور وہ بہت زیادہ ہونگے۔ اس حدیث کی رو سے امت کی اصلاح، نگرانی اور سیاست کا کام خلفاء کے ذمے ہے اور خلفا سے مراد علمائے امت ہیں جس کی تاکید یہ دوسری حدیث ہے کہ اَلْعُلَمَاۤءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاۤءِ۔۔۔۔ علمائے اکرام انبیا کے وارث ہیں۔ یہاں وراثت سے مراد مالی وارثت

نہیں بلکہ انبیا علیہم السلام کے مشن کی وراثت مراد ہے۔ یہ علماء کا فریضہ ہے کہ انبیاء کے مشن، کا مقصد اور نصب العین کو جاری رکھیں، عقائد اور اعمال اور معاشرے کی اصلاح کریں اور اللہ کا دین اس دنیا میں قائم و نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے کہ آپ کا ایک سرا نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اور دوسرا سرا زندگی سے۔ یہ آپ کے کام کی نزاکت کی وجہ سے آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور اتصال جہاں بذات خود ایک بہت بڑی خوش نصیبی اور سرفرازی سے بڑی دولت اور سب سے عظیم سرمایہ ہے میرے عزیزو! اس بات کو سمجھو کہ اس نعمت عظمی کا اہل بننے کے لیے تمھیں کئی باتوں کی ضرورت ہے۔ تمھیں کیا کرنا ہے؟ اس وابستگی سے آپ پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

ا۔ اپنی اصلاح:

سب سے پہلے اپنے اندر فکر پیدا کرو۔ خلوت میں سوچو کہ اللہ تعالی نے تمھیں انبیائے کرام اور اولیا کے راستہ پر ڈال دیا اگر تم پھر اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ جاؤ تو یہ تمھاری بڑی بد قسمتی ہے۔ اس راستہ میں اولیاء کرام، انبیاء عظام کے نقش قدم نظر آئیں گے اور اس سب سے بڑھ کر تمھیں علم نبوت کی روشنی ملے گی۔ دوسری چیز اس مدرسہ کی زندگی میں حسب استطاعت اپنے آپ کو اس کے مطابق بنانا ہے۔ ہر راہ کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور اس راہ کے تقاضے یہ ہیں کہ فرائض کی پابندی کی جائے۔ مثلاً نمازوں میں مستعدی، جماعت کے وقت سے پہلے مسجد آنا، نوافل و دعا کا ذوق پیدا کرنا۔ تیسری چیز، اپنے اخلاق کو بھی اسی کے مطابق بنانا، تمھارے اندر صبر، زہد، استغنا اور تمھارا مظہر بھی اس راستہ کے پیشواؤں کے مطابق ہو۔ خدا کی قسم! تمھارے متعلق یہ خطرہ ہرگز نہیں کہ تم یہاں مدرسہ سے جانے کے بعد فقر سے دوچار ہوگے۔ خطرہ جو ہے وہ صرف اس بات سے کہ کہیں اس نعمت عظمی کی ناقدری سے جو اللہ تعالی تم کو عطا فرما رہا ہے تم پر ادبار نہ آجائے اور اگر تم نے شکر ادا کیا تو اس نعمت کے شکر کے عوض تمھاری استعداد کہیں زیادہ بڑھ جائے گی: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ

لَشَدِیْدٌ۔ لیکن جب تک تم اپنے اندر جوہر ذاتی نہ پیدا کروگے اور استعداد میں پختگی نہ حاصل کروگے اس وقت تک تم کچھ بھی نہ ہوگے اور دنیا میں جاکر تم کچھ نہ کرسکوگے۔ تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ اپنے مقاصد اور اپنے مقام کو پہنچانو، پڑھنا اور استعداد پیدا کرنا ہی صرف اپنا مقصود اور نصب العین بناؤ۔ اس کے علاوہ کسی طرف نگاہ اٹھاکر بھی نہ دیکھو، انشاء اللہ ! دنیا میں بھی کامیاب و بامراد ہوگے کامیابی و شادمانی تمھارے قدم چومے گی اور پھر اللہ رب العزت کے حضور میں حاضری کے وقت بھی سرخرو ہوگے۔

۲۔ اپنے آپ کو قیمتی بنانا اور ذہن و کردار کی تعمیر:

یہ زمانہ بہتر بننے کا نہیں بلکہ بہترین بننے اور قیمتی نہیں زیادہ قیمتی بننے کا ہے۔آپ قیمتی سے قیمتی بننے کی کوشش کیجیے اور یہاں انسان کی فطرت ہے ! اگر یہ جذبہ انسان کے اندر نہیں تو وہ حیوان ہے۔ اسی جذبے کے تحت انسان وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک فرشتے نہیں پہنچ سکے۔ایک شخص کا کوئی چیز دفینہ میں ملی وہ اس کو لے کر جوہر شناس کے پاس آیا۔جوہر شناس نے کہا کہ یہ ہیرا ہے اور بہت قیمتی ہے لیکن اس کی تین شرطیں ہیں:

- جب تک اس کو چمکایا نہیں جائے گا اور اس کے کونے برابر نہیں کیے جائیں گے اس وقت تک اس پتھر کی کوئی قیمت نہیں ہے۔
- یہ بہت نازک ہے اگر یہ کہیں سے چٹخ گیا تو بیکار ہو جائے گا۔
- اگر یہ چٹخ گیا تو پھر یہ درست نہیں ہو سکتا۔

اب عقلمندی یہ ہے کہ جس شخص کو بھی یہ ہیرا ملے وہ ان کے تمام شرائط اور اوصاف کی فکر کرے، بازار میں کسی بہتر جوہر تلاش کرے، اس کو احتیاط اور اہتمام سے بنوائے اور اس کے بعد منہ مانگے داموں پر فروخت کرکے نفع کمائے۔ یقیناً وہ ہیرا تمھارے پاس موجود ہے اور تم میں سے ہر شخص اس کا مالک ہے۔ وہ ہیرا تمھاری زندگی کی صلاحیت ہے، لکھنے پڑھنے کی صلاحیت، فرمانبرداری کی صلاحیت اور بہتر بننے کی صلاحیت ہے۔ یہ وہ صلاحیتیں ہیں جن پر ملائکہ کو رشک آتا ہے۔ ان صلاحیتوں سے تم اس مقام پر پہنچوگے جس کے بارے میں ارشاد

ہے کہ : مَالَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔
شاعر نے کہا ہے:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تم ایسے بن سکتے ہو کہ تمھارا شہر نہیں پورا ملک بلکہ پوری امت اور ملت کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ تم وہ پارس بن سکتے ہو کہ اگر تم سے کوئی خدا کا باغی اور سرکش چھو جائے تو وہ ولی کامل بن جائے۔ جس بستی میں تم جاؤ وہاں بہار آجائے، وہاں کا موسم اور فضا بدل جائے۔ یہ تاثیر آج بھی تمھارے اندر پیدا ہو سکتی ہے تمھاری وجہ سے نہ جانے کتنی قومیں جنتی ہو سکتی ہیں۔بے شک ختم نبوت ہو چکی ! لیکن تم آیات من ایات اللہ بن سکتے ہو۔ حجۃ الاسلام شیخ الاسلام ہو سکتے ہو۔سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نائبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہو۔ یہ سب چیزیں تم کر سکتے ہو لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم عزم کرو، کیونکہ تم خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے آئے ہو، صاحب کمال اور صاحب امتیاز بننے کے لیے آئے ہو، اگر تم کامیابی اور ترقی کا فیصلہ کرلو تو اس کائنات کا ذرہ ذرہ تمھاری مدد کرے گا۔پوری نظام کائنات تمھارے لیے وقف ہو جائے گا، حدیث اس بات پر شاہد ہے۔میں تم سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون بدنصیب شخص ہو گا جو کامیاب نہیں بننا چاہے گا، پتھر بھی ترقی سے انکار نہیں کر سکتے، کائنات کا ذرہ ذرہ عروج کا متمنی ہوتا ہے، ایک تخم کو دیکھو وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک درخت بن جاتا ہے اور ترقی کے آخری سٹیج پر پہنچ جاتا ہے لیکن تمھارا سفر ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا موت کے بعد تک جاری رہے گا اور تم ترقی کے مدارج طے کروگے حتی کہ تمھاری آسودگی دیدار الٰہی سے ہوگی اور یہ تمھاری آخری اور ابدی منزل ہے۔ تمھارا اولین فرض یہ ہے کہ تم دلوں میں عزم وارادہ پیدا کرو، اس لیے کہ تم کو بہتر سے بہترین بننا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اگر تم ہمارے نہیں بن سکتے، اپنے اساتذہ اور ہمدردوں کے نہیں بن سکتے۔ نہ بنو ! اپنا

تو حق ادا کرو۔ میں تم سے بار بار یہی کہوں گا کہ اچھے سے اچھا بننے کی کوشش کرو، کیونکہ تمام کے تمام عالم یہ شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے انسان کو بہترین بننے کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان سے اس کا مطالبہ کا کیا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ثُمَّ هَدٰی

میرے عزیزو! تم اپنے دلوں پر نقش کر لو، عہد کر لو کہ ہم کو اچھے سے اچھا بننا ہے، یہ تمھارے دل کی آواز بلکہ ایک قدم بڑھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن کی آواز ہے کہ تم بہتر اور قیمتی بنو، جس طالب علم میں یہ جذبہ نہیں وہ در حقیقت اُس بنجر زمین کی مانند ہے جس میں تخم ضائع ہوا کرتے ہیں۔ ان نئے حالات سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے آپ کو ذاتی اور عملی طور پر بھی تیار ہونا پڑے گا اور علمی طور پر بھی اسی طرح اخلاقی وروحانی طور پر بھی۔ ایک طرف آپ کو جدید فتنوں اور فلسفوں کی حقیقت و ماہیت کا پس منظر ان کے محرکات اور عوامل اور ان کے ارتقاء کی تاریخ کا آغاز نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا کہ اپنے حریف اور مد مقابل کو پوری طرح پہنچاننا، اس کی طاقت اور اس کے مقاصد سے واقف ہونا مقابلہ کے لیے شرط اولین ہے۔ دوسری طرف آپ کو اپنے اندر اتنی پختگی اور صلاحیت اور اتنی خود داری اور خود شناسی پیدا کرنی ہوگی کہ کوئی آپ سے آپ کے ضمیر اور دینی حمیت کا سودا کرنے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے۔ موجودہ نظام تعلیم اپنے فضلاء کو ایک کف جو پر بکنا اور اپنے جوہر وہنر کا نیلام کرنا سکھاتا ہے، مگر ہمارا نظام تعلیم اس کا قائل ہے کہ

ہر دو عالم قیمت خود گفتئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ عام ضمیر فروشی کا دور ہے، بڑے بڑے فاضل اور صاحب قلم ہیں، جن کی ذہانت اور جن کے مطالعہ کے سامنے ہماری کوئی حیثیت نہیں، لیکن ضمیر نام کی کوئی چیز ان کے یہاں نہیں پائی جاتی، بلکہ ان کے پہلو میں ایک دھڑکتے ہوئے دل کی بجائے ایک رواں دواں قلم رکھا ہوا ہے، جو سب کچھ لکھ سکتا ہے، جس کے یہاں آخرت کی جوابدہی اور ضمیر کی ملامت اور سرزنش کا کوئی سوال نہیں، ان میں زمانہ کے ساتھ بدلنے اور اس کے مطالبوں کی ترجمانی کرنے

کی غیر محدود صلاحیت ہے۔

آپ مدرسہ سے مدرس بن کر نکلیں، مبارک، آپ علمی متون کے شارح ہوں، مبارک، آپ واعظ و خطیب ہوں، مبارک، آپ کتابوں کے مصنف ہوں، مبارک۔ میں بھی اس کا گنہگار ہوں لیکن اس وقت زمانہ کو اس سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے، اس وقت زمانہ کو ان مردان کار کی ضرورت ہے، جو اس نئے دور کو اک نئی فکری قیادت، ایک نیا دینی اعتماد، ایک نئی روحانی واخلاقی قوت عطا کر سکیں، اگر ایسا نہ ہوا، تو مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے اور اس ملک کے لیے بھی۔ آج زمین ہمارے پاؤں تلے سے نکلتی جارہی ہے اور بالکل وہی صورت حال ہے، جس کی قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں یوں تصویر کھینچی ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا [الرعد: ۴۱]

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹائے چلے جاتے ہیں۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ [التوبہ ۱۱۸]

اور زمین میں باوجود [اتنی بڑی] فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی ہو اور ان کی جانیں ان پر دو بھر ہو گئیں

آج ہم جس زمین پر کھڑے ہوئے ہیں اور جس پر دینی اور علمی مرکزوں کے قلعے تعمیر کر رہے ہیں، وہ کوئی پتھر کے چٹان یا مسطح میدان نہیں ہے، وہ ریت کا ایک تودہ ہے۔ جس کے ذروں کو ہواؤں کے طوفان اڑا رہے ہیں اور برابر ہمارے نیچے سے کھسک رہی ہے، یہ وہی زمین ہے، جس کو قرآن مجید نے كَثِيْبًا مَّهِيْلًا کہا ہے۔

دوستو! قبل اس کے زمانہ آپ کو سبق دے، زمانہ کے بے درد اور بے رحم حقائق آپ کی آنکھیں کھلوالیں، آپ خود آنکھ کھولنے اور روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں، گردوپیش کی دنیا کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اچانک آپ کو انقلاب روزگار نے کہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے، کہاں ہمارے اسلاف کا عہد اور کہاں آج کا عہد، اگر آپ عزم کے ساتھ اس انداز پر اپنے ذہنوں کی تعمیر کریں اور اساتذہ کرام یوں رہنمائی فرمائیں کہ جب آپ اس دنیا سے نکلیں تو آپ اس وسیع دنیا

کے [جس میں آپ کو زندگی گزارنا ہے] حقائق سے آنکھیں ملا سکیں حالات سے پنجہ آزمائی کر سکیں۔آپ کے اسی گروہ کے اندران بوسیدہ کپڑوں اور نحیف جسموں میں شیر خفتہ ہیں۔ آپ ہی کے اندر ایسے پاک نفس داعی اور ایسے بے لوث مصلح ہیں، جن سے آپ بھی بے خبر ہیں اور آپ کے اساتذہ بھی اور آپ کے دوست و رفیق بھی، میں انھیں کو خوابیدہ صلاحیتوں کو اپنی اس کمزور اور ناتواں آواز سے دستک دے رہا ہوں، کاش کہ میری آواز ان دروازوں کے پار پہنچ جائے اور خوابیدہ افراد میں بیدار کی لہر دوڑ اٹھے۔

علم میں کمال پیدا کرنا خواہ وہ کوئی بھی علم و فن، ہو آپ کے لیے مفید ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا عربی میں اور علوم ودینیہ میں کمال پیدا کرنا کون سی ایسی بڑی بات ہے اور یہ کہیں کہ بھلا اس کمال کا قدر دان آج کی اس دنیا میں کون ہے تو میں کہوں گا کہ یہ آپ کی بے خبری کی بات ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہاں سے لے کر امریکہ ویورپ تک، آکسفورڈ اور کیمبرج تک ہر جگہ اس علم کی قدر ہے، بشر طیکہ آپ نے اس میں کوئی کمال حاصل کیا ہو۔ لیکن کمال کس کو کہتے ہیں کمال شد بد کو نہیں کہتے کمال کان یکون کو نہیں کہتے۔ کمال اس کو نہیں کہتے کہ آپ عربی کی عبارت پڑھ لیں اور سمجھ لیں، اس کا نام کسی نے بھی کمال نہیں رکھا۔ کمال وہ ہے جسے کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ کمال وہ ہے جو اپنا اعتراف دنیا سے کرالے۔

آپ کسی علم میں کسی فن میں، اختصاص پیدا کرلیں، امتیاز پیدا کریں، دنیا آپ کا لوہا مانے گی اور معاشی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور مدارس کا جو مسئلہ اس وقت ہمارے یہاں درپیش ہے یہ سب ختم ہو جائے گا، یہ دراصل ہماری پست ہمتی اور کام چوری کی عادت کا نتیجہ ہے کہ آج کوئی استعداد پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ آج مدارس سے کس طرح کے فضلاء نکل رہے ہیں، ممتحن حضرات جب دورہ کا امتحان لینے جاتے ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں موجود طلبہ اکثر تو عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اسی طرح کے فضلاء مسلسل ادھر کئی سال سے نکل رہے ہیں، میرے خیال میں کوئی تیس سال سے یہ انحطاط نمایاں طریقے پر شروع ہو گیا ہے اور پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا زمانہ نہیں رہا۔ ہمارے والدین نے ہماری عمر برباد کی۔ آج

بھی ایسے لوگ ہیں کہ جنھوں نے کسی فن میں امتیاز پیدا کرلیا اور جہاں ہیں وہاں مرجع خلائق ہیں اور ان کا اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے۔ اگر کسی نے ایک صنف میں بھی کوئی امتیاز پیدا کرلیا تو بس پھر اس کے لیے فقر فاقہ اور پریشانی بھی ختم اور اگر ہوگی بھی تو وہ کسی اپنی کمزوری کی وجہ سے ہوتو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم کا یہ نصاب اچھا اور بہتر نہیں، اس میں حالات اور زمانے کے تغیرات کی مناسبت سے جائز اصلاح کی ضرورت ہے تو وہ تو ہوتی رہتی ہے۔

لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ زیادہ مسئلہ نصاب کا بھی نہیں زیادہ مسئلہ محنت کا ہے اور اساتذہ کے پڑھانے کا ہے۔ قدیم نصاب سے وہ لوگ تیار ہوگئے تھے جو آج جدید نصاب سے تیار نہیں ہو پاتے۔ آخر ایسی کیا بات ہے! حالانکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ قدیم نصاب سے جدید نصاب کی بعض چیزیں یقیناً بہتر ہیں۔ مثال کے طور پر جس زمانہ میں نفحۃ الیمن اور مقامات حریری پڑھائی جاتی تھی اور نثر کی کوئی ڈھنگ کی کتاب نہ تھی جس سے زبان وادب کا صحیح ذوق اور اظہار خیال کی صلاحیت پیدا ہو اس وقت تو ایسے ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور اب جب کہ نثر کی اچھی کتابیں پڑھائی جارہی ہیں اور اس میں عربی زبان کے بہترین نمونے جمع کردیے گئے ہیں، آج ایسے لوگ نہیں پیدا ہورہے ہیں۔ اگر نصاب اس کا ضامن ہوتا تو اب پیدا ہونا چاہیے۔ نصاب معاون ضرور ہے، حالات اور زمانے کی ضرورت کی مناسبت سے نصاب میں تغیر کے بھی ہم قائل ہیں، لیکن تنہا اس پر انحصار نہیں۔

اصل میں شکایات تو یہ ہے کہ آپ حضرات نے محنت کرنی چھوڑدی ہے آپ حضرات کے اندر ولولہ نہیں، مسابقت کا جذبہ نہیں، آپ حضرات کسی فن میں کامل ہونے اور درس کی قوت پیدا کرنے کو فخر کی چیز ہی نہیں سمجھتے اور ہمارے اسلاف ایسے تھے کہ ان کو بادشاہی ملتی تو مدرسی کی خاطر قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ مدرس بننے میں وہ اتنا بڑا اعزاز سمجھتے تھے کہ وزارتیں ٹھکرادیں اور بعض تو ایسے حضرات بھی تھے کہ ہیں وزیر اور درس دے رہے ہیں۔ لکھنو میں وزیر آصف الدولہ کے زمانہ، میں سعادت علی خان کے زمانہ میں ہر روز کے یہاں

رات کو درس ہوا کرتا تھا اور دن کو وزارت کا کام ہوا کرتا تھا۔ ایسی بہت سی آپ کو مثالیں ملیں گی۔ علامہ تفضل حسین، ریاضی کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، یہ وزیر دودھ تھے، لیکن درس اس طرح دیتے تھے کہ گویا صرف مدرس ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن اب ہمارے آپ کے اندر مدرس بننا وجہ افتخار نہیں رہا۔ بلکہ ہم اس سے شرماتے ہیں کہ ہم مدرس بن جائیں، تو ایک بات آپ سے یہ کہنا ہے کے داخلی طور پر آپ استعداد درست کیجیے، محنت کیجیے اور پتہ پانی کیجیے۔۔۔ اور کسی فن میں کمال پیدا کیجیے۔ آج ہمارے مدرس میں اس وقت جو بہت بڑا مسئلہ ہے جس کو کرائسس کہنا چاہیے وہ ہے مدرس کا مسئلہ۔ آج مدرس نہیں مل رہے ہیں ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اتنی بڑی بڑی درسگاہیں بنا لیتے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اور نہیں تو کم از کم دو تین مدرس بعض فنون کے ہی مل جائیں وہ بھی نہیں مل رہے ہیں۔

۳۔ عقیدہ توحید اور عمل بالسنتہ کی حفاظت واشاعت:

آپ مدارس عربیہ کی ذمہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری اور فرض عقائد صحیحہ خصوصاً عقیدہ توحید اور سنت کی حفاظت اور اشاعت ہے۔ ہمارے اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی اور وقت کے کسی فتنہ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ انھوں نے شرکیات، بدعات و رسومات اور شعائر جاہلیت کے معاملہ میں بھی مداہنت و تساہل سے کام نہیں لیا۔

آپ کے اسلاف میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خیر القرون کی عظیم ہستیوں کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد عبد الوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ، امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ، امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، پیر طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، محقق العصر مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبل استقامت اور

نقیب شریعت گزرے ہیں، جنھوں نے سب کچھ گوارا کیا، مگر کسی خلاف شریعت فعل اور کسی شرک وبدعت کے ساتھ رعایت نہیں برداشت کی۔

انگریز حکومت کے تسلط کے بعد جب اس ملک پر مغربی تہذیب و عادات اور ملحدانہ عقائد و خیالات کا سیلاب آیا تو یہ اکابر چٹان کی مانند اپنی جگہ قائم رہے،آپ کے اسلاف شریعت کے بارے میں اتنے ذکی الحس، اتنے دور بین اور اتنے غیور واقع ہوئے تھے کہ انھوں نے آخر وقت تک بدعات کو سند جواز نہیں دی، جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو بنتی جارہی تھیں، انھوں نے محتسب اور شریعت کے بے لاگ منتظم کے فرائض انجام دیئے اور ان کی نگاہ احتساب سے کوئی انحراف اور کوئی شرک وبدعت بچ کر نکل نہیں سکی، انھوں نے عوام کا عتاب لوگوں کی ملامت، تکفیر کے فتوے، مقاطعہ اور ایذاء رسانی سب کچھ گوارا کیا مگر اپنے مسلک کو نہیں چھوڑا۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ جو زیادہ سنجیدہ، باوقار اور صاحب فکر ہے شرکیات وبدعات سے متنفر اور مبرا ہیں۔اللہ تعالی ان خادمین شریعت اور ان محافظین دین کی تربتیں ٹھنڈی رکھے اور ان کی امت کی طرف خیر عطافرمائے۔آمین

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آج ہمیں ان کی بصیرت، ان کی فراست، ان کی دینی تفقہ، اور ان کے رسوخ فی العلم کی قدر آتی ہے کہ انھوں نے اپنا فرض کس خوبی سے انجام دیا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا [احزاب]

انھوں نے اپنی جانوں کو حصار بنا کر اس باغ کی حفاظت کی ہے۔انھوں نے اپنے خون سے اس کے درختوں کو سینچا ہے،اور ہمیں بتلادیا کہ شریعت کے باغ کی رکھ والی اس طرح کی جاتی ہے۔ہمیں اس سرمایہ کو سینہ سے لگانا کر رکھنا چاہیے، اور اپنے ہر سرمایہ سے زیادہ اس سرمایہ کو عزیز رکھنا چاہیے۔مجھے آپ سے دوستانہ شکایت ہے، میرے درد مند دل کو آپ سے

گلہ ہے کہ آپ اس سرمایہ سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں، آپ کے بزرگوں کی بہترین صلاحیتیں اور مبارک ترین اوقات ان نفوس قدسیہ کی طرف سے حمایت ومدافعت میں گزرے، آپ انھیں کی بدولت ایک بڑے گروہ میں معتوب و مغضوب ہوئے اور آپ کے ساتھ اب بھی یہ نسبت لگی ہوئی ہے، مگر اب آپ میں بہت سے ان کے نام اور کام تک سے بھی واقف نہیں ،آپ میں سے کتنے اپنے اسلاف کی تاریخ اور حالات اور کارناموں سے واقف ہیں ؟آپ میں سے کتنے بھائی توحید وسنت کی صحیح حقیقت سے واقف ہیں، وہ بتلا سکتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے ایمان باللہ کی حقیقت کیا تھی، اور قرآن نے کیوں ان کو مشرک کہا، توحید کے کیا مراتب ہیں، اور شرک کے کیا مظاہر ہیں، بدعت کی جامع ومانع تعریف کیا ہے، اور اس کے کیا نقصانات ہیں، اور آپ کو ان سب مسائل پر تیار ہونا چاہیے تھا اور آپ کی بصیرت عوام سے اس بارہ میں بہت ممتاز ہونی چاہیے تھی، مگر مجھے خطرہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے بھائی ان چیزوں سے بالکل خالی الذہن ہوں گے۔ بہر حال آپ کی اور ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنا عقیدہ توحید پر راسخ کرنے اور عمل سنت کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ اس عقیدہ توحید و عمل بالسنت کی حفاظت اور اشاعت لازمی طور پر نبھائیں، ہم میں سے ہر کوئی اپنے اسلاف کی مانند اس کا داعی بن جائے اور معاشرے میں موجود تمام شرکیات، وبدعات کی تردید کے لیے کمربستہ ہوجائیں ایسا کرنے میں کسی قسم کی مداہنت نہ برتیں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ آنے دیں۔

آپ میں غیر متزلزل یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہیے، آپ میں یہ حوصلہ اور ہمت ہونی چاہیے کہ ساری دنیا ملتی ہو، تو اس ایمان کے ایک نقطہ سے بھی دستبردار ہونے کے سوال پر غور نہ کرسکیں، آپ کے دلوں میں اس کی حمایت ونصرت کا جذبہ موجزن ہے ہونا چاہیے۔ آپ کا دل اس بے بدل دولت پر فخر اور شکر سے لبریز ہو، آپ کو اس کی صداقت، اس کی معقولیت، اس کی ابدیت اس کی ہر زمانہ میں صلاحیت، اس کی بلندی اور برتری اور اس کی معصومیت پر غیر متبدل یقین ہو، آپ اس کے مقابل ہر چیز کو پورے اطمینان کے ساتھ جاہلیت کی میراث سمجھتے ہوں۔

آپ جہاں احکام خداوندی اور تعلیمات اسلامی کو سن کر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہیں وہاں جاہلیت کے نظام اور جاہلیت کے علمبرداروں کو مخاطب کرکے کہیں کہ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ۔ آپ اسلام ہی کی رہنمائی اور اسوہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روشنی میں دنیا کی نجات کا یقین رکھتے ہوں، اور آپ کا اس پر عقیدہ ہوں کہ اس طوفان نوح میں سفینہ نوح صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور امامت ہے، آپ یقین کرتے ہوں کہ افراد اور قوم کی سرفرازی اور سربلندی کی شرط صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ

محمد عربیؐ کہ آبروئے ہر دوسرا است
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسراو

آپ تعلیمات نبوت کو علم کا لب لباب اور حقیقت الحقائق سمجھتے ہوں، آپ اس کے مقابلے میں تمام دنیا کے فلسفہ اور قیاسات و روایات کو افسانہ و خرافات سے زیادہ وقعت دینے کے لیے تیار نہ ہوں، آپ توحید کی حقیقت سے واقف اور اس پر مصر ہوں، اور شرک اور تمام دنیا کے علم الاصنام کو خواہ وہ کیسے ہی پر جلال علمی اصطلاحات اور فلسفہ کی زبان میں بیان کیا گیا ہو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں، اور زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا سے زیادہ مرتبہ دینے کے لیے آمادہ نہ ہوں، آپ سنت کے اتباع کے حریص، اور خَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے ہوں اور بدعات کے مضر اور غیر معقول ہونے پر آپ کی شرح صدر ہو، غرض آپ اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی و ذوقی اور علمی حیثیت سے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور عملیت کے قائل اور اس کے عملی تفسیر ہوں۔

آپ کے اسلاف وہ تھے، جنھوں نے شرکیات و بدعات کے ساتھ اتنی مصالحت گوارہ نہیں کی، آپ کے اسلاف نے آج تک قبر پرستی، نذر غیر اللہ، کسی بزرگ کسی بابے کے عرس، ذکر بالجہر، تیجہ قل، چالیسواں، حیلہ اسقاط یا کسی مولود و میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کسی تیسری عید وغیرہ کے قیام کے اجازت کبھی بھی نہیں دی، کتنی ہی رسومات اور طریقے

ہیں جو مسلمان کی زندگی میں غیر محسوس طور پر داخل ہو گئے، کتنی خود ساختہ عبادات ہیں جو آج مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں اور انھوں نے مذہبی فرائض اور دینی شعائر کی حیثیت اختیار کر لی ہے، لیکن آپ کا جس مکتب خیال اور مسلک سے تعلق ہے، اس کے علماء نے ان کی ہمیشہ مخالفت اور ان کو شرک و بدعت اور بے اصل بتایا، اس کی ان کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، ان کا مقاطعہ کیا گیا، ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر و ضلالت کے فتوے لگائے گئے، وہ بہت سے دنیوی مفادات اور لذتوں سے محروم رہے، لیکن انھوں نے ان چیزوں کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی اور کسی مداہنت اور مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا، ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارا خود بھی اسکیمپ سے تعلق ہے جو شرکیات و بدعات کے مقابلہ میں ہمیشہ سر بکف رہا ہے، ہم ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنھوں نے دین میں ادنی تحریف اور مسلمانوں کے ادنی انحراف تک کو برداشت نہیں کیا۔

دعوت دین یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

دعوت دین اور تبلیغ کو دین اسلام میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے، اگر دعوت نہ ہو تو یہ حق دین کیسے پھیلے گا، اس لیے قرآن وسنت نے دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بہت زور دیا ہے، یہ تمام انبیا علیہم السلام کا متفق علیہ کام ہے۔ اب انبیا علیہم السلام کے بعد یہ ذمہ داری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً علماء پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے

کیونکہ انبیا علیہم السلام کے ذمے دو کام تھے، ایک وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اس طریقے زندگی اور اس ہدایت کا علم حاصل کرنا اور دوسرا اس علم و ہدایت کو دوسروں تک پہنچانا، بتانا سکھانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا۔ ان میں سے پہلا کام تو سلسلہ نبوت ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ختم نبوت کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت کے بعد اب کسی اور کو یہ مقام و منصب عطا نہیں فرمایا جائے گا کہ وحی کے ذریعے اس پر دین و شریعت کے احکام نازل ہوں اور اس کو نبی مان کر ان کی اطاعت اور تابعداری کرنا لوگوں کے لیے ضروری ہو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اس ہدایت و شریعت نے جو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہے اور جس کے آخری زمانے تک محفوظ رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام بھی کر دیا گیا ہے، اس ضرورت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا، لیکن سلسلہ نبوت کی طرف سے آئی ہوئی اس ہدایت کو بندوں تک پہنچانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا باقی ہے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص شرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں وہ اس مقدس مشن کو قیامت تک جاری رکھنے اور اس کار نبوت کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔

بنابریں امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا اہم رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایک عالمگیر شعبہ ہے۔ اس لیے خاص طور پر اس کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے الاٹ کیا گیا ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور برتری کی وجہ تلاش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے ذمے ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے خیر الامم کا معزز خطاب اس امت کو عطا کیا گیا ہے۔ دین کی تبلیغ کا کام ایک ایسا شعبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سپرد کیا ہے، یہ خدمت خلق کا جذبہ بھی ہے، امت کو دوزخ سے بچانے کا کام بھی ہے۔

در حقیقت پیدائش کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کرکے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ فلاح و بہبود انھی لوگوں کے لیے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت اور اصلاح خلق کی ذمہ داری اور اس امت میں سب سے زیادہ علماء پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء علیہم

السلام اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور نائب ہیں، اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، انھی کو کہا گیا ہے اور مذکور ہو چکا کہ یہ وراثت مال و متاع کا نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے مشن کی ہے۔ ان کا فریضہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشن، مقصد اور نصب العین کو جاری رکھیں، اسے معاشرے میں پھیلائیں، دعوت دین اور اللہ کے قانون کو معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے کوشش کریں۔ آج ہر طرف بگاڑ، شر اور لادینیت کا دور ہے۔ شرک وبدعات اور منکرات نے دنیا کو گھیرا ہوا ہے، اب جبکہ شر غالب اور حق مغلوب ہے تو ان حالات میں علمائے کرام کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو خدانخواستہ ان کی حالت بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائے جن کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں سے مخاطب کرتا ہے۔

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

بہر حال موجودہ دور میں آپ علمائے کرام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی شرکیات، بدعات و رسومات کا رد کرکے لوگوں کی اصلاح کریں اور اس کے ساتھ ساتھ مغرب اور لادینیت کی یلغار کا مقابلہ کریں، اس لیے کہ آج ملک عزیز میں کس طرح بے حیائی، فحاشی و عریانی کو عورتوں کے حقوق کی پاسداری بتایا جا رہا ہے، ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعے مغربی تہذیب کو پھیلایا جا رہا ہے۔ ثقافت کے نام پر بے حیائی پر مبنی کلچر جو منعقد کیے جا رہے ہیں یوں نوجوانوں کو بے حیائی اور بے ہودہ کاموں میں مصروف کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے قوم میں اسلام سے رغبت کا جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ ہر طرف مادیت کا دور دورہ ہے۔ دعوت تبلیغ کے سلسلے میں ہماری اور آپ کی اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم ہر جگہ ہر سطح پر دروس قرآن اور چھوٹے چھوٹے عوامی مکاتب کے قیام کا انتظام کریں۔

میری مراد بڑے بڑے مدارس نہیں کہ قصبے قصبے میں ہوں اور ہر جگہ دورہ ہو اور ہر جگہ بخاری شریف ختم ہو، لیکن ان مکاتب اور دروس کی ضرورت زیادہ ہے، یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف کرانا، دین کا تحفظ اور دینیات سے واقفیت او حلال و حرام اور اس

سے بڑھ کر کفر و ایمان اور توحید و شرک، ان کا امتیاز ان کو ہو جائے۔

ہمارے ملک میں آج تیزی کے ساتھ سیکولرازم لایا جارہا ہے اور کوئی موقع کوئی فرصت کوئی لمحہ اس کے لیے ضائع نہیں کیا جارہا ہے۔ ہم اور آپ یہاں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب تیزی کے ساتھ پاکستان بدل رہا ہے۔ عصری تعلیمی ادارے کالج و یونیورسٹیوں تک یہ چیز آپہنچی ہے۔ کل مدارس کی باری آسکتی ہے، تو اس کے لیے دروس اور مکاتب کا جال بچھا دیجیے اور مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنائیے۔ سب سے آخر میں انقلاب کے قدم جہاں پر پہنچیں گے وہ مسجدیں ہیں تو آپ مساجد کو مرکز بنائیے اور کثرت سے مکاتب قائم کیجیے اور بالکل اس کی پرواہ نہ کیجیے کہ آپ نے تو مدرسہ میں علوم عالیہ اور معارف اور حقائق پڑھے تھے اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں اور عوام سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے علم ضائع کیا کبھی اس کا خیال نہ کیجیے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اسلام کا تحفظ۔

مدارس کی تنظیم و ترقی کی کوششوں کے ساتھ ساتھ عوام الناس کو بھی بنیادی، دینی علوم سے روشناس کرانا علمائے کرام کا فرض ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مساجد میں قرآن حدیث کے دروس [جس میں عقیدہ اور عمل کی اصلاح] کے ساتھ ساتھ طریقہ طہارت سے تقسیم میراث تک شریعت کے احکام آسان انداز میں سبقا سبقاً پڑھائے جائیں۔ مسلمانوں کو حلال و حرام کی پہچان کروائی جائے اور ان میں جائز و ناجائز کی تفریق کا شعور پیدا کیا جائے۔

ایک زمانہ تھا کہ عام مسلمان ہوش سنبھالنے تک اسلامی احکام کے کئی مجموعے پڑھ لیتا تھا اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل سے واقف ہوتا تھا، اچھے وقتوں میں یہ روایت ہوتی تھی کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان قدوری کنز تک پڑھا ہوا ہوتا تھا، لہٰذا انگریزی استعمار کے برصغیر پر قبضے کے ساتھ ہی یہ شاندار تاریخی روایت ختم ہو گئی۔ لہٰذا آج فقہی مسائل کی آسان و تعبیر و تشریح پر مشتمل عوام دروسی نصاب مروجہ اسلوب میں تیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

اقامت دین و نفاذ دین کے لیے کوشش:

قیام امارات شرعیہ نفاذ شریعت اور اقامتِ و نفاذ دین جو اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کی روشنی میں انسانوں کی دنیوی و اخروی کامیابی کا ضامن ہے مسلمانوں پر فرض ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں کی غیرت ایمانی ہے کہ جاگتی ہی نہیں، اللہ کا قانون نافذ کرنے کو عبادت اور دین کا کام سمجھتے ہی نہیں، عوام تو درکنار ستم بالائے ستم یہ ہے کہ منبر و محراب بھی اس غیر کے قانون کے خلاف اور اللہ کے قانون کے حق کے بولنے کی سکت نہیں رکھتے۔ حالانکہ غیر اور کفر کے قانون کو ماننا اور اس پر راضی ہونا ایمان اور توحید کے تقاضے کے خلاف ہے۔ امر و نہی کا حق اور حاکمیت مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے اور اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا ہے اس طرح قانون بنانے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔

یاد رکھیے! کہ وہ شخص جو غیر اسلامی قانون یا غیر اسلامی نظام میں اس طرح سے زندگی گزارتا ہے کہ اس کے جی میں کوئی خلش پیدا ہی نہیں ہوتی یا غیر شرعی نظام پر وہ دل و دماغ کی ہم آہنگی کے ساتھ راضی ہے تو اس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور وہ کلمہ طیبہ پر حقیقتاً کوئی ایمان نہیں رکھتا۔ ہمارے ملک میں بعض تو وہ نام نہاد مسلمان لبرل، سیکولر ذہنیت والے ہیں جو کھلم کھلا اسلامی قوانین اور اقدار کا مذاق اڑا رہے ہیں، جب اسلامی نظام کے نفاذ کی بات آتی ہے تو وہ اسے فرسودہ، غیر منصفانہ، ظالمانہ، موجودہ ترقی یافتہ دور کے لیے ناکافی قرار دیتے ہیں اور بعض ویسے اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں مگر ماڈریٹ اسلام جس میں رقص کو فنون لطیفہ او ثقافت کا حصہ سمجھا جائے، بے پردگی اور فحاشی عریانی کو سند جواز فراہم ہو،، مرد وزن کے اختلاط، زنا اور شراب کو جدید تہذیبی روایات کا تقاضا خیال کیا جائے وغیرہ اور ہمارے بعض مہربان تو وہ بھی ہیں جو نہ اسلامی نظام کے خلاف ہے اور نہ ماڈریٹ ازم [روشن خیالی] کے قائل، وہ صحیح اور حقیقی اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے انھوں نے راستہ غیر صحیح غیر شرعی یعنی مغربی جمہوریت اور انتخابات کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ موجودہ طرز

انتخابات تو مغربی جمہوریت کا وہ حرام زاد بچہ ہے جس سے خیر کی کوئی امید نہیں۔ اب اگر یہ سوال پیدا ہو کہ اسلامی سیاست و ریاست [خلافت] قائم کرنے یا حاصل کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہو گا؟ تو اس کا بڑا سیدھا سادھا اور انتہائی آسان جواب یہ ہے کہ قرآن و سنت اور سلف و صالحین کے طرز عمل سے دو طریقے معلوم ہیں۔ ایک جہاد جس کی مثال مکہ میں اسلامی ریاست و خلافت کا قیام ہے جو جہاد کے ذریعے عمل میں آیا اور دوسرا راستہ عامۃ المسلمین میں تعلیم و تربیت اور دروس قرآن کے ذریعے ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے بعد سیرت مطہرہ کی روشنی میں منظّم جدوجہد جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی شاھد ہے کہ مدینہ میں اسلامی خلافت کا قیام ذہنی انقلاب اور اصلاح سے وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست قائم کرنے کے لیے مغربی انتخابات اور الیکشن کو ذریعہ سمجھنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ طرز کفری اور جمہوریت کا ہے۔ نہ اس طریقے سے اسلام پہلے کبھی آیا تھا اور نہ ہی آسکتا ہے اور اگر آ بھی جائے تو مکمل اسلامی خلافت نہیں ہو گی جس کا مشاہدہ ہم بار بار کر چکے ہیں۔

اس ضمن میں عقائد اور دیگر شعبہ ہائے دین پر محنت کے ساتھ علماء کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ لوگوں کو اسلامی قانون کے فوائد و اہمیت اور کفر کے قانون کے نقصانات سے روشناس کرائیں۔ اس سلسلہ میں ان کی ذہنی تربیت کر کے ذہنی انقلاب برپا کریں۔ اس ضمن میں ابتدائی مراحل کے طور پر ان کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ احکام و قوانین شریعت جو بغیر حاکم اور خلیفہ کے عوام کے مابین ہوں، پر عمل درآمد کریں، چھوٹے موٹے مقدمات مساجد اور اپنے محلوں میں علمائے کرام کی نگرانی میں قرآن و سنت کے مطابق حل کریں۔ کیونکہ اسلامی قانون اور شریعت کے کل تین میں سے تقریباً دو حصے احکام اور اس کا نفاذ عوام کے ہاتھ میں ہے جس کو احکام رعیت یا تدبیر منزل کے احکام کہتے ہیں۔ باقی تقریباً ایک حصہ احکام جو راعی اور حاکم و خلیفہ کے ذریعے نافذ ہو سکتے ہیں اس کے لیے بھی جدوجہد کے ذریعے اس رکاوٹ کو ختم کرنا ہو گا۔

ہمارا اور آپ کا فرض یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ ہم سب کو سنجیدگی سے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہم میں سے چھوٹے سے لے کر ہر بڑے

سے بڑے عالم، بزرگ اور شیخ المشائخ سے روز قیامت یہ سوال ہو جائے کہ تم نے بغیر شرعی نظام کے زندگی کیوں گزاری، کیا تمھارے پاس کوئی نظام نہیں تھا تو ہمارا کیا جواب ہوگا۔ کتنی سخت سخت وعیدوں والی احادیث آئی ہیں اسلامی امارت اور خلیفہ کے بغیر زندگی گزارنے پر کہ جنھیں جان کر بعض مرتبہ آدمی کانپ اٹھتا ہے، لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس نظام کے لیے راہ ہموار کریں لوگوں کی ذہن سازی کریں اور اس کے لیے مربوط مسلسل اور نتیجہ جدوجہد کریں۔ فتنوں سے بھرپور اس دور میں باطل کا مقابلہ علمائے کرام اور دینی جذبہ رکھنے والے عوام الناس ہی کر سکتے ہیں۔ ان منتشر عوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کی تربیت کرنا اور ان کی آواز کو قوت دینا اور طاغوت کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا بھی علمائے کرام کی ذمہ داری ہے، تاکہ معاشرے میں اقامت دین کا کام منظم انداز میں، غور و فکر اور تدبر سے کیا جا سکے، یہی انبیائے کرام کا مشن تھا اسی وجہ سے علمائے کرام کو انبیا علیہم السلام کا وارث قرار دیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ فریضہ آج ہم سب کو انجام دینا ہے۔

ان تمام حالات کا احساس کرتے ہوئے ان مذکورہ ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ آپ یہ یقین پختہ کریں کہ آپ ایک ایسے مورچے اور زندگی کے ایک ایسے محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ اگر آپ نے وہ محاذ چھوڑ دیا تو اس کو سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ آپ ثابت کریں کہ آپ اخلاق کے محاذ پر کھڑے ہیں، خدمت خلق کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی بلندی کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی تحقیق کے محاذ پر کھڑے ہیں۔

آپ نے اگر جگہ چھوڑ دی یا آپ کو اپنے محاذ سے ہٹا دیا گیا تو زندگی میں اتنا بڑا خلا پیدا ہوگا جس کو یہ جدید یونیورسٹیاں ہرگز پر نہ کر سکیں گی۔ یہ ہے خدا کا بنایا ہوا وہ ابدی قانون جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً اب اس وقت ہمارے مدارس محض مسلمانوں کے جذبہ خیر، مسلمانوں کی دین پسندی، اسلام سندی یا محض مسلمانوں کے دین و شریعت کے احترام یا محض بعض علمائے کرام کی قربانی یا بعض علمائے کرام کی بزرگی کے بل پر قائم نہیں رہ سکتے، بلکہ ہمیں حالات کو دیکھ کر اپنے اندر جائز تبدیلی لانا چاہیے

اور غفلت کی نیند سے جاگنا چاہیے۔ یہی بات دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے زمانے کی نبض کو پہچان کر سب سے پہلے کہا تھا کہ زمانہ بدل گیا، زمانے کا جائز تغیرات کو واقعی تغیرات تسلیم کرنا چاہیے اور اپنی افادیت ثابت کرنی چاہیے۔

بہر حال آپ کے کام یہ دو محاذ ہیں، ایک یہاں مدارس میں رہتے ہوئے استعداد پیدا کرنا اور اپنے علم میں کمال پیدا کرنا، اچھے مدارس بنانا اور دوسرا عوامی اصلاح دروس قرآن، مکاتب کا قیام اور شریعت کے نظام کا نفاذ، اگر آپ نے یہ دو چیزیں کرلیں تو آپ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡأَرۡضِ کے مصداق ہوں گے اور کوئی بے رحم بے درد ہاتھ کوئی ظالم ہاتھ اور کوئی انقلاب و تغیر آپ کے نقش کو نہیں مٹا سکتا اور آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اور سچی بات یہ ہے کہ آپ کے لیے کوئی انقلاب نہیں ہے۔ آپ کے لیے کوئی تغیر نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ نے نافعیت ثابت کر دی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے خاص طور پر ضمانت ہے جو دین کے ذریعے دین کے راستہ میں اپنی نافعیت ثابت کر دے۔ تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنۡ تَهۡلِكۡ هٰذِهِ الۡعِصَابَةَ لَنۡ تُعۡبَدَ اَبَدًا، کہ اے اللہ تیری عبادت کا انحصار ان پر ہے، تیرے توحید کی منادی کا انحصار ان پر ہے۔ آپ بھی ثابت کیجیے کہ اَللّٰهُمَّ اِنۡ تَهۡلِكۡ هٰذِهِ الۡعِصَابَةَ لَنۡ تُعۡبَدَ فِیۡ هٰذِهِ الۡاَرۡضِ، کم از کم پاکستان کے متعلق کہہ دیجیے پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے اترتی ہے۔